V.2

ریاست کا ساٹھ سالہ سیاسی دور

کشمیر کا سیاسی انقلاب

شبنم قیوم

پیشرو کشمیر بک ڈپو سرینگر کشمیر

کشمیر کا سیاسی انقلاب

جلد دوم

از ابتدائے جولائی ۱۹۳۹ء تا اکتوبر ۱۹۴۷ء

ایک تاریخ

ایک تحریک

ایک دستاویز

مُصنّف

شبنم قیّوم

کشمیر بک پوپلشرز، سرینگر، کشمیر

DS
485
.K2
Q13
1989
V.2

جملہ حقوق بحقِ مصنّف محفوظ ہیں

ترجمہ یا کسی طرح استعمال کرنے سے پہلے تحریری اجازت لینی ضروری ہے البتہ تبصرے کے لئے حوالہ جات دینے میں کوئی قید نہیں ہے : مصنّف

بار اوّل : ۱۹۸۹ء

طباعت : ..... جے ، کے آفسٹ پرنٹرز ، جامع مسجد دہلی ۶

قیمت : ..... پچاس روپے ۵۰/-

مصنّف

شبنم قیوم

بوچھوارہ ڈلگیٹ ، سرینگر کشمیر

ناشر

کشمیر بک ڈپو مولانا آزاد روڈ سرینگر کشمیر

انتساب

مرحوم چوہدری غلام عباس خان و غلام نبی گلکار
جیسے نیک اور پُرخلوص لیڈران قوم کے نام احترام
کے ساتھ جنہیں راستے سے ہٹا کر کشمیر کی ناؤ
کو کنارے لگانے کا موقعہ نہیں دیا گیا۔ جنہیں
کشمیری عوام نے سمجھنے اور پہچاننے میں ایسی غلطی
کی جس کا کبھی ازالہ نہیں ہو سکے گا۔

شبنم قیوم

مےٕ کرٕی پیٹھ زمہ کرہ فند گوشن لولہ کین پوشن
خبر اسیم دلس پیٹھ دروٹ دمہ سگ واتہ اردانن
ہے چھُ نہیر چھپس نہ پیر نارک، تشر ز الیم، مشر گالیم
مےٕ دژ پنہ زن دلس منز جائے گگر این تہ طوفانن
(احمد شمیم)

حرفِ اوّل

جیسا کہ آپ جان گئے ہیں میں نے "کشمیر کا سیاسی انقلاب" جلد ۲ کو برصغیر کی تقسیم سے قبل کے اُن دو اہم محبِ وطن لیڈرانِ قوم کے نام منسوب کیا ہے جن میں سے ایک کا تعلق علاقہ جموں اور دوسرے کا تعلق وادی کشمیر سے رہا ہے۔ یہ دونوں حضرات آج ہم میں موجود نہیں۔

برصغیر کی تقسیم کے بعد جب شیخ محمد عبداللہ ریاست کے قضا و قدر کے مالک بن گئے تو انہوں نے دونوں جیالے جانبازوں ان بے لوث اور بے غرض لیڈروں کو دیش بدر کر دیا۔ غلام نبی گلکار جنہوں نے شیخ محمد عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں سیاست میں لایا اور سیاست کا سبق سکھایا۔ اُن کو پولیس کے ہاتھوں زدوکوب کرا کر یہاں سے بھگا دیا گیا۔ چوہدری غلام عباس خاں کو بھی زبردستی وادی چھوڑنے کے لیے پولیس کا سہارا لیا گیا لیکن بعد میں ارادہ بدل کر اُن سے چالبازی کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ چوہدری صاحب نظر بند تھے۔ شیخ عبداللہ نے پہلے بخشی غلام محمد کو ان کے پاس بھیجدیا اور پھر خود جیل میں اُن سے ملاقات کر کے انہیں یہ چکمہ دیا کہ وہ پاکستان جا کر قائداعظم محمد علی جناح سے ہماری صلح کرا دیں تاکہ ہم نئے سرے سے مسئلہ کشمیر پر اُن کے ساتھ گفت و شنید کر سکیں۔ شیخ صاحب ہندوستان سے چھٹکارا پانے اور پاکستان کے ساتھ صلح کرنے کی آڑ میں چوہدری صاحب کو پاکستان

بھیجدینا چاہتے تھے۔ شیخ صاحب بخوبی جانتے تھے نہ ہندوستان کشمیر پر قبضہ چھوڑ دے گا اور نہ ہی پاکستان ان کا ناپائیدار فارمولہ قبول کرے گا۔ اس بارے میں ان کی بس یہ غرض تھی کہ چوہدری غلام عباس خان جیسے لیڈر سے چھٹکارا پایہ جائے تاکہ وہ بلا شرکت غیرے حکومت کر سکیں۔

چوہدری غلام عباس خاں مسلم کانفرنس کے صدر تھے تو انہوں نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے نیشنل کانفرنس کو ڈوگرہ شاہی کے دور میں دوبارہ عام انتخابات میں ایسی زبردست شکست دلادی کہ نیشنل کانفرنس کے ساتھ آل انڈیا کانگریس بھونچکارہ گئی۔ چوہدری غلام عباس خاں مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ اسی لیے انہوں نے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کی سخت مخالفت کی۔ بالآخر شیخ صاحب کی بعض یقین دہانیوں پر وہ مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کے لیے مجبور ہو گئے۔

بقول چوہدری صاحب جب مجھے پتہ چلا نیشنل کانفرنس کی آڑ میں اس کی لیڈرشپ مسلمانوں کے کاز کے ساتھ غداری کر رہی ہے تو میں نے نیشنل کانفرنس کو خیرباد کہہ دیا اور دوبارہ مسلم کانفرنس زندہ کر کے اس تنظیم کی اپنے خون جگر سے آبیاری کرنی شروع کی۔

چوہدری عباس خاں نظریاتی طور پر مسلم لیگ اور پاکستان کے طرفدار تھے۔ وہ ریاست کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔ اُن کی تحریک کا بس یہی ایک محور تھا۔ اس بارے میں وہ صحیح تھے یا غلط لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلم کانفرنس میں رہ کر وہ پاکستان کا نظریہ اپنائے ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں محمد علی جناح سے ان کا رابطہ تھا۔ چوہدری صاحب جہاں پاکستان کی طرفداری میں جناح صاحب کے ساتھ رابطہ رکھے ہوئے تھے وہاں شیخ عبداللہ پنڈت جواہر لال نہرو کا پیروکار بن کر بھارت کی حمایت کر رہے تھے۔ دو پارٹیوں کے ان دو سربراہوں کے درمیان کا یہ تضاد آخر کار کھل کر سامنے آ گیا۔

چوہدری غلام عباس خان کے مقابلے میں خواجہ غلام نبی گلکار ریاست کو آزاد اور خود مختار رکھنے کا نظریہ رکھتے تھے۔ چوہدری عباس خان کی طرح انہوں نے بھی دولت جائیداد جاہ و حشمت اور حکومت سب کچھ ٹھکرا کر صرف ریاست کے درد کو سینے سے لگایا۔ چوہدری عباس کی طرح گلکار نے بھی ریاست کی عزت و آبرو کو وظیفوں، نذرانوں اور کلیموں کی نذر چڑھانے سے انکار کر دیا۔

غلام نبی گلکار اور چوہدری عباس خان پر کوئی دشمن بھی یہ الزام نہ لگا سکا کہ انہوں نے کبھی لالچ غرض یا دباؤ میں آ کر اپنے موقف سے انحراف کیا ہو، ان کا موقف صحیح تھا یا غلط وہ الگ بات ہے۔ لیکن وہ مرتے دم تک ایک ہی موقف پر قائم رہے انہوں نے اپنے ہم عصر ساتھی کی طرح لباس جیسے موقف نہیں بدلے۔ چوہدری غلام عباس خان جہاں شروع سے لے کر آخیر تک پاکستان کی حمایت کرتے رہے وہاں غلام نبی گلکار آخری گھڑی تک آزاد اور خود مختار کشمیر کے حامی رہے گلکار صاحب ہندوستان کے ساتھ ساتھ پاکستان سے بھی برسرپیکار رہے ان کے اس عزم کو جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیاں بھی پامال نہ کر سکیں حتی کہ دیارِ غیر میں جیل کی آہنی سلاخوں سے بھی انہوں نے آزاد اور خود مختار کشمیر کا نعرہ لگایا۔

گلکار صاحب نے اپنی زندگی میں پاکستانی اخبارات میں ایک طویل سلسلہ مضامین شائع کرائے "خود مختار کشمیر" کی سیاسی اقتصادی اور جغرافیائی اہمیت کو واضح کیا اور خود مختار کشمیر کے مخالفین کے ہر اعتراض کا مسکت جواب دے دیا۔ انہیں اپنے وطن سے جنون کی حد تک عشق تھا۔ ان کا کہنا تھا ریاست جموں و کشمیر کی عزت و آبرو اسی میں ہے کہ یہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر کے آزاد اور خود مختار رہے اپنے اس موقف کی صحت اور سلامتی کا انہیں یقین کامل تھا۔ وہ اس کے خلاف کوئی بھی دلیل سننے کے لیے

تیار نہیں تھے۔ کشمیر کے مستقبل پر ان کا غیر متزلزل اعتماد ایک ایسے عاشق کی یاد دلاتا ہے جو اپنے محبوب کی بے وفائی کے بعد اُسی کے نام کی مالا جپتا ہے۔ اور یہی مالا جپتے جپتے انہوں نے موت کا جام نوش فرمایا۔

غلام نبی گلکار کی موت پر شیخ عبداللہ نے مجاہد منزل کے تعزیتی اجلاس میں وصیت فرمائی تھی۔

"جب میری موت واقعہ ہوگی تو مجھے یہاں دفنانے کے بجائے بحرۂ عرب میں غرق کر دینا، میں اس غلام سرزمین میں دفن نہیں ہونا چاہتا ہوں، میں مر کر بھی ایسے لوگوں میں رہنا نہیں چاہتا جو غلام نبی گلکار جیسی شخصیت کو بھول گئے ہیں۔"

موت کا جام چوہدری غلام عباس خان نے بھی پیا۔ گلکار کے ساتھ وہ بھی یہ ارمان لے کر گئے کہ تحریک نے اُن کے ساتھ وفا کیوں نہ کی اور ریاست کی مسلم اکثریت اپنے مقصد میں ناکام کیوں رہی، چوہدری غلام عباس خان اور غلام نبی گلکار دونوں کو اس بات کا قلق تھا کہ انہوں نے کشمیر سے نکلنا کیوں قبول کیا وہ شیخ محمد عبداللہ کے لیے ایک چیلنج بن کر کشمیر میں کیوں نہ رہے اور کشمیر میں اپنی جان کیوں نہ دے دی۔

دونوں لیڈر جانتے تھے جن غیر مسلموں کے لیے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کیا گیا۔ ان غیر مسلموں نے کبھی بھی نیشنل کانفرنس کو قبول نہیں کیا اور مسلمانوں کی اکثریت تو نیشنل کانفرنس کے بالکل خلاف تھی اس کا ثبوت اُن عام انتخابات سے ملتا ہے جس میں مسلم کانفرنس نے نیشنل کانفرنس کو دوبار کراری شکست دی۔ برصغیر کی تقسیم سے قبل جس نیشنل کانفرنس کی عوام میں کوئی بنیاد ہی نہ تھی وہ مسلم کانفرنس پر حاوی کیسے ہو گئی۔؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب آپ کو اس کتاب میں ضرور ملے گا۔ جب تک مسلم کانفرنس کے لیڈر یہاں موجود تھے نیشنل کانفرنس یہاں پنپ نہ سکی، لہٰذا ان کو یہاں سے چلتا کیا گیا۔ حالانکہ نیشنل کانفرنس کا نظریہ وسیع تر بنیاد کا حامل تھا۔ یہ تنظیم وسعت قلب اور وسعت

نظر رکھ کر دو قومی نظریئے کو مسترد کر رہی تھی۔ یہاں پر میں اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کے پاس مائنسیمہ رجمنٹ (اس میں لاری اڈے کے ڈرائیور، ٹانگہ بان اور قصائی شامل تھے۔) نہ ہوتی تو کشمیر کی تاریخ آج بالکل مختلف ہوتی، بعض لوگوں کا خیال ہے اگر شیخ محمد عبداللہ سیاست میں نہ ہوتے تو کشمیر یا تو پاکستان کے ساتھ مل گیا ہوتا نہیں تو آزاد اور خود مختار ہوتا، اس بارے میں میرا یہ دعویٰ ہے اگر شیخ صاحب سیاست میں ہوتے بھی مگر سرینگر کے ڈرائیور، ٹانگہ بان اور قصائی ان کے حمایتی نہ ہوتے تو کشمیر ہندوستان کے ساتھ شامل نہ ہوتا، یہ بات کشمیر کے مفاد میں ہوتی یا نہیں لیکن صورت حال ضرور مختلف ہوتی۔

شبنم قیوم



تحریک حریت کے صف اوّل کے مجاہد
چوہدری غلام عباس خان۔



تحریک حریت کے بانی مجاہد غلام نبی گلکار انور



برصغیر کے دو عظیم رہنما

مہاتما گاندھی اور محمد علی جناح بمبئی کے مالابار ہل میں ہندو مسلم اتحاد پر بات چیت کے بعد اس اتحاد کو قائم رکھنے کے دعوان کی یادگار تصویر۔

باب ۔ ۱

نیشنل کانفرنس کے نو سال

سنہ ۱۹۳۹ء سے سنہ ۱۹۴۷ء تک

یہ کس نے شاخِ گل لا کر قریبِ آشیاں رکھدی
کہ ہم نے شوقِ گل بوسی میں کانٹوں پر زباں رکھدی

جزو

۱۔ نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ
مشکلات سے دوچار ——— ۱۷

۲۔ فخرِ ہند پنڈت جواہر لال نہرو
اور کشمیر کے ساتھ اُن کی وابستگی ——— ۲۹

۳۔ مسلم کانفرنس کا احیاء نو
نیشنل کانفرنس کے ساتھ اُس کا ٹکراؤ ——— ۳۹

۴۔ نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے درمیان
ٹکراؤ کا دوسرا دور ——— ۵۱

۵۔ قائداعظم محمد علی جناح کا کشمیر میں
استقبال اور مظاہرہ ——— ۶۵

۶۔ نیشنل کانفرنس کے اجلاس، کانگریس کی حکمت عملی
ریاست پر اُس کے اثرات ——— ۸۷

نہ جانے کونسی منزل پہ آپہنچا ہے پیار اپنا
نہ ہم کو اعتبار اُن کا، نہ ان کو اعتبار اپنا

نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ
مشکلات سے دوچار

مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے سے قبل شیخ محمد عبداللہ کو پنڈت برادری کو اعتماد میں لینا پڑا "ذمہ دار نظام حکومت" کا مطالعہ کرنے سے پہلے ایک ایک کرکے انھیں غیر مسلم رہنماؤں کو مطالبے کا یہ مسودہ دکھانا پڑا، کوئی درجن بھر ترمیموں کے بعد ایک دستاویز تیار کی گئی۔ سینئر مسلم لیڈروں میں سے ایک نے بھی اس پر دستخط نہیں کیے۔ ان کے ہمراز خواجہ غلام احمد عشائی نے بھی دستخط کرنے سے انکار کیا تو انھیں جاکر احمد یار خاں، مولانا محمد سعید مسعودی، خواجہ غلام محمد صادق، بخشی غلام محمد اور مرزا افضل بیگ کے دستخط حاصل کرنے پڑے۔

غیر مسلم لیڈروں کی طرف سے پریم ناتھ بزاز، سردار بدھ سنگھ، کیشپ بندھو، پنڈت جیالال کلم، شیام لال صراف اور ڈاکٹر ایس۔ این پشن نے دستاویز پر دستخط کیے۔

شیخ عبداللہ نے اپنے دیرینہ ساتھیوں کی پرواہ کیے بغیر مسلم کانفرنس کو ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا ابتدا میں انھیں مسلم رہنماؤں کی طرف سے زبردست مخالفت کا سامنا کرنا پڑا لیکن شیخ صاحب کا فیصلہ پتھر کی لکیر ثابت ہوا اور وہ کئی احباب کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہوئے، جب ان کے حامیوں کا دائرہ دوبارہ وسیع ہونے لگا تو جموں کے مسلم رہنماؤں میں سے بیشتر نے مسلم کانفرنس کی تجہیز و تدفین میں حصّہ لیا۔

مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کے ساتھ جب اس تنظیم کے پرچم کو بھی بدل دیا گیا تو غیر مسلموں نے اسے اپنی فتح سے تعبیر کرکے جشن منایا، اس کے مقابلے میں ناراض مسلم

لیڈروں اور ان کے حامیوں نے مسلم کانفرنس کی موت پر ماتم منایا۔

مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کے لیے ابتدا میں شیخ صاحب کے ساتھ ان کے ہم خیال صرف غلام احمد عشائی تھے۔ لیکن بعد میں عشائی صاحب بھی اس مسئلے پر ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ چوں کہ وہ اس تبدیلی کی کاروائی میں ایک رازدار تھے۔ انھوں نے شیخ عبداللہ پر کانگریس کے ہاتھوں بکنے کا الزام لگایا۔ اور انھیں تحریک کے ساتھ غداری کا مرتکب ٹھہرایا۔

عشائی صاحب کے چلے جانے سے شیخ عبداللہ اکیلے اس فیصلے پر ڈٹے رہے۔ انھوں نے ثابت کر کے دیا۔ ایک طرف اگر ایک جماعت ہے تو دوسری طرف وہ اکیلے اس جماعت کے برابر ہیں۔

شیخ صاحب کو لوگوں کی اکثریت کی حمایت حاصل تھی اور یہ وہ لوگ تھے جو سمجھتے تھے شیخ صاحب کوئی غلط کام نہیں کریں گے۔ لوگوں کے اس اعتماد نے شیخ عبداللہ سے کئی ایسے فیصلے کرائے جن سے ساری قوم کو سخت خمیازہ بھگتنا پڑا۔

مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنا ایک مثبت قدم تھا۔ اور یہ سیکولرازم اور سوشلزم کا اعادہ بھی تھا۔ یہ ان کی وسعت قلبی کا مظاہرہ بھی تھا لیکن اس کام کے لیے نہ صرف کٹر مسلم پرستوں کی مخالفت کا انھیں سامنا کرنا پڑا بلکہ پنڈت برادری کے سخت ترین اقدامات سے پریشان ہونا پڑا۔

مسلم کانفرنس جیسی تنظیم کا نام اور اس کا پرچم تبدیل کرنے کا پنڈت برادری کا مطالبہ شیخ صاحب تسلیم کر چکے تھے اور اس پر عملی جامہ بھی پہنا گئے تھے لیکن اب ان کی طرف سے دوسرے مطالبے ہونے لگے۔

شیخ عبداللہ ابتدا سے ہی تقریر سے قبل اپنی مدھر اور سریلی آواز میں قرآنی آیات کی تلاوت کیا کرتے تھے اور کلام اقبال میں سے چند موزوں شعر سامعین کی نذر کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے اسٹیج پر اکثر نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کی آوازیں گونجتی تھیں۔

پنڈت لیڈروں نے انھیں ایسا کرنے سے منع کیا، اس پر سخت لے دے ہوئی شیخ صاحب نے غیر مسلموں کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کیا اور پنڈت رہنماؤں نے ان کو تعاون دینے سے صاف انکار کیا۔ معاملہ بڑھتے بڑھتے مرکزی کانگریس کمیٹی تک جا پہنچا، کشمیری پنڈتوں کا ایک وفد شکایت لے کر دہلی گیا تو پنڈت نہرو نے اس وفد سے صاف صاف کہہ دیا علامہ اقبال

میرا بھی عزیز شاعر ہے۔ میں بھی ان کا کلام پڑھتا ہوں اور قرآن پڑھنا تو اچھی بات ہے۔ لیکن وفد اس دلیل سے مطمئن نہیں ہوا انھوں نے نیشنل کانفرنس کے اسٹیج پر قرآن کے ساتھ گیتا کا پاٹھ اور نعرۂ تکبیر کے ساتھ ہر ہر مہادیو کا ورد کرنے کا سجھاؤ دیا۔ پنڈت نہرو نے بتایا اگر شیخ صاحب ایسا کرنا مناسب سمجھیں تو کرا سکتے ہیں لیکن اس سلسلے میں ہم ان پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتے۔

پنڈت رہنماؤں کے اس مطالبہ سے شیخ عبداللہ سخت پریشان اور رنجیدہ ہو گئے۔ پنڈت لیڈروں کی طرف سے قرآنی آیات کی تلاوت پر معترض ہونے سے شیخ صاحب اس حد تک رنجیدہ اور سنجیدہ ہو گئے کہ انھوں نے دوبارہ مسلم کانفرنس میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

چونکہ مسلم کانفرنس کے لیڈران سے اس سلسلے میں دھوکہ کھا چکے تھے لہٰذا انھوں نے ان کے اس فیصلے کو قابل اعتنا نہ سمجھا' ویسے بھی شیخ صاحب کی غلطی نہ ماننے کی ان کی کمزوری نے انھیں دوبارہ مسلم کانفرنس میں جانے نہیں دیا اور وہ صبر و برداشت کے کڑوے گھونٹ پیتے رہے۔

پنڈت لیڈروں کے اس اعتراض کو بعض مسلم رہنماؤں نے جو نیشنل کانفرنس میں آ چکے تھے ان کا یہ مطالبہ نامناسب سمجھ کر شیخ صاحب سے شکایت کی لیکن ان کی طرف سے معقول جواب نہ ملنے کی وجہ سے وہ اس جماعت سے کنارہ کش ہو گئے۔ اس کاروائی سے شیخ صاحب کو زبردست دھچکہ لگا۔ لیکن وہ اندر کے الاؤ کو باہر ظاہر نہ دینے کی پالیسی پر قایم رہے۔

اسی دوران عید میلاد النبی صلعم کی تقریب سعید پر حضرت بل میں شیخ صاحب نے نماز سے قبل صورۃ الرحمن کی تلاوت کی، چونکہ یہ تلاوت معمول سے کچھ زیادہ تھی اس پر پنڈت رہنماؤں نے اعتراض کیا۔

پنڈت کیشپ بندھو، پریم ناتھ بزاز، جیالال کلم اور سری کنٹھ توشخانی نے اسے نیشنل کانفرنس کی پالیسی اور پروگرام کے خلاف قدم قرار دیا۔ ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔

شیخ صاحب نے پنڈت برادری سے کہہ دیا میں اول اور آخر مسلمان ہوں تو وہ اور زیادہ مشتعل ہو گئے انھوں نے شیخ صاحب سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اول اور آخر مسلمان کہنے کے بجائے اول اور آخر ہندوستانی کہے۔

شیخ صاحب نے جواب دیا میں ہندوستانی بھی ہوں اور مسلمان بھی لیکن پنڈت رہنما مطمئن نہ ہو سکے۔

اسی دوران نیشنل کانفرنس کے ایک لیڈر گردھاری لال آنند صراف جموں نے نیشنل کانفرنس کے دستور اساسی کی اشاعت پر اس لیے اعتراض کیا کیونکہ اس پر نیشنل کانفرنس کے صدر شیخ محمد عبداللہ نے شروع میں "۸۶ء" لکھ دیا تھا۔ چنانچہ شیخ صاحب سے "۸۶ء" لکھنے پر جواب طلبی کی گئی تاکہ وہ اسے کاتب کی غلطی ٹھہرا کر اس اعتراض سے خلاصی کر سکیں لیکن شیخ صاحب نے اس کے جواب میں لکھ دیا یہ کاتب کی غلطی نہیں بلکہ میرے ارادے سے لکھا گیا ہے اور یہ خدا کا نام ہے۔

یہ ہنگامہ اتنا بڑھ گیا کہ ان سبھی پنڈت لیڈروں نے ایک ایک کر کے نیشنل کانفرنس سے استعفےٰ دے دیا۔

ان پنڈت لیڈروں کے نیشنل کانفرنس چھوڑنے سے کئی مسلم لیڈر بھی اس تنظیم کو چھوڑ گئے۔ نیشنل کانفرنس سے مستعفی ہو کر یہ پنڈت رہنما پنڈت نہرو سے ملنے دہلی چلے گئے۔ لیکن نہرو جی نے ان کا اعتراض مسترد کیا۔

پنڈت نہرو نے ان کے سامنے واضح کر دیا کہ "شیخ صاحب نے تمہارے لیے اپنی برادری کو ناراض کیا اور تم روز بروز اُن کے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہو۔ میں نے ایک بار کہا ہے میں اس میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔"

پنڈت نہرو کا جواب سُن کر یہ لوگ مایوس ہو کر دہلی سے واپس لوٹ آئے۔

پنڈت برادری کے اس طور طریقے سے پریشان ہو کر شیخ صاحب خود بھی دہلی فریاد لے کر گئے۔ دہلی سے واپسی پر جامع مسجد سرینگر میں تقریر کے دوران انھوں نے اپنے دورے کی تفصیلات بتائیں، انھوں نے کانگریس کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے مسلم لیگ کے رول کی شدید الفاظ میں مذمت کی، انھوں نے لوگوں کو بتایا۔

"میں نے پنڈت جواہر لال نہرو کو کشمیر آنے کی دعوت دی جو انھوں نے قبول کر لی، یہ کانگریس کے ساتھ ہمارے اصولوں کی ہم آہنگی ہے۔ کانگریس کے لیڈروں نے ہماری امداد بھی کی ہے۔"

اس موقعہ پر مولوی محمد سعید مسعودی نے شیخ صاحب کو اُن کی غیر حاضری میں پیش

آئے واقعات کی تفصیل بتا دی۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ "نیشنل کانفرنس ہندوؤں اور مسلمانوں کی اکثریت نے قبول نہیں کی تھی۔ اور شیخ عبداللہ اس کی زیادہ پرواہ بھی نہیں کر رہے تھے۔

نیشنل کانفرنس کی گرتی ہوئی ساکھ کو دیکھ کر بعض مسلم رہنماؤں نے مسلم کانفرنس میں جان ڈالنے کا ارادہ کیا جونہی ان کا یہ ارادہ منظر عام پر آیا تو کشمیری مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس کی حمایت میں جمع ہو گئی البتہ بعض سیاسی رہنماؤں نے اس کام میں ضرور رکاوٹ ڈال دی

اسلام آباد میں نیشنل کانفرنس کے اجلاس سے یہاں کے لوگوں نے جب بائیکاٹ کیا اور مسلم کانفرنس کے حق میں پرچار کیا تو مرزا محمد افضل بیگ کو کرایہ کے غنڈوں سے ڈنگا فساد کرانا پڑا۔

سرینگر کے کئی جوان کارکنوں نے قریشی محمد یوسف کی رہنمائی میں مسلم کانفرنس کی بنیاد



قریشی محمد یوسف مسلم کانفرنس کے ارکان کے ساتھ۔

از سر نو ڈالنے کا اعلان کیا اس کے لیے ۱۵ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ایک بڑے اجتماع میں مجاہد منزل پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بخشی غلام محمد لاری اڈہ میں گئے اور وہاں سے ڈرائیوروں اور کلینروں کو کئی لاریوں میں مجاہد منزل لے آئے۔ ان ڈرائیوروں اور کلینروں نے ہینڈل اور دوسرا سامان ہاتھ میں لے کر مسلم کانفرنس کے حمائیتوں پر ایسا وار کیا کہ بے شمار کارکن شدید طور پر زخمی ہو گئے اس طرح مجاہد منزل پر قبضے کی کاروائی ناکام بنا دی گئی۔ زخمی ہونے والوں میں قریشی محمد یوسف کے ساتھ غلام رسول چھتہ بل صبور واگنو، حسن محمد سالار، مبارک خان مائسمہ، نور محمد ڈار رعناواری، نور محمد کپتان بٹہ مالنہ، نورالدین دلال فتح کدل، محمد اسماعیل کاؤڈارہ،

میر غلام محی الدین اندرابی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ایک ماہ بعد مسلم رہنما پھر منظم ہو گئے چنانچہ مسلمانوں کی علیحدہ شناخت قائم کرنے کے لیے غلام محی الدین رہبر، اے۔ یو رعنا، ایم۔ پی حلیم، ایم۔ اے ساغر، عبدالسلام دلال اور سعید مبارک شاہین نے "مسلم لیگ" کے نام سے ایک نئی جماعت قائم کرنے کا آغاز کیا اور اس کے پہلے صدر غلام رسول آزاد چن لیے گئے۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۱ء کو اس تنظیم کا ایک بڑا اجلاس بادام واری میں منعقد ہوا اس اجتماع میں مسلمانان کشمیر سے اپیل کی گئی کہ وہ نیشنل کانفرنس سے علیحدہ ہو کر مسلم کانفرنس کو دوبارہ منظم کریں۔

اس اپیل پر بہت سے کارکن نیشنل کانفرنس سے نکل کر مسلم کانفرنس میں واپس آ گئے اور وہ لوگ جو نیشنل کانفرنس بن جانے کے بعد ناراض ہو کر بالکل الگ تھلگ ہو گئے تھے وہ بھی اس تنظیم میں نئی جان ڈالنے کے لیے سرگرم ہو گئے۔ یہ سرگرمی نہ صرف وادی میں دکھائی دی بلکہ راجوری پونچھ اور میرپور وغیرہ علاقوں میں بھی دکھائی دینے لگی۔

مسلم کانفرنس کو دوبارہ جنم دینے والے رہنمایانِ قوم کے ساتھ جن لوگوں نے اپنے آپ کو وقف کیا ان میں قریشی محمد یوسف حکیم علیم اللہ، عبدالغفار چاپری، سید محمد مقبول بیہقی، غلام حسن گیلانی، محمد اسحٰق، مولانا عبدالعزیز حمل، مولانا محمد یاسین سوپوری، محمد رجب بخش چنگال، غلام نبی وٹالی، عبدالغفار وازہ، محمد یوسف کوئنٹل، صوفی محمد خادم قمرالدین بدرو، مختار احمد، غلام محی الدین فاضلی، اسداللہ امام لسہ شیخ فاضلو، مولوی محمد یعقوب ناسفر، رحمان ڈار ناسنر، عبدالمجید بانڈے شوپیان، نصیرالدین خاں یاری پورہ، شیخ غلام رسول شوپیان، عزیز شاہ شوپیان غلام حسن پنجورہ، عبدالرزاق ٹینگ شوپیان، مولانا عبداللہ شاہ میر واعظ، ماسٹر ولی محمد پلواہ، ماسٹر ثناء اللہ راموہ، غلام رسول ارہ کو لگام، منشی غلام محمد، علی محمد ملک پنجورہ، غلام حسن لامبر، غلام محمد خاں رام پورہ، غلام محمد ناز، نذیر احمد خاں، محمد خلیل بانڈے، عبدالرحمٰن راحت، سید ضیاء الدین وترہل، اسد وانی اکن گام، غلام حسن گوڑو، منشی امیر الدین، عبدالرحمٰن، محمد سبحان ریشی، عبداللہ جوگازہ، غلام حسن ملک، عبدالرحمان وانی، غلام مصطفےٰ ٹاک، محمد عبداللہ درزی، غلام محمد کوچک، غلام نبی، نورالدین صوفی، شمس الدین کپرہ۔ غلام محمد کنگن، میاں نظام الدین لاری، غلام قادر بابا، محمد یاسین خاں بڈگام، عبدالرزاق کینگ، اسداللہ دلال،

غلام قادر خان، اسماعیل بوٹ فروش اور صوفی نذیر احمد وغیرہ کے نام دستیاب ہو سکے ہیں۔

وادی سے باہر جن لوگوں نے مسلم کانفرنس کو زندہ اور پائندہ رکھنے کے لیے جی جان سے کام کیا ان میں وہاب الدین، مولوی عبدالکریم کوٹ، کندو خان، مولوی عبداللہ سیالکھوی مولوی عبدالعزیز لیدر، فضل الدین بھٹی، عبدالکریم زرگر، چوہدری عباس علی، ماسٹر عبدالعزیز مجیدی، مرزا محمد حسین جرال، چوہدری محمد تقی ٹھنہ، عبدالعزیز زرگر، محمد اسماعیل، فقیر محمد، عبدالغنی ڈنڈے والا، راجہ فتح محمد خاں، خان محمد خان، غلام قادر بانڈے اور کامریڈ محمد شفیع قابلِ ذکر ہیں۔

مسلم کانفرنس کو نیا جنم ملنے کے بعد اس کا ایک وفد لاہور روانہ ہوا اس میں سرینگر کے غلام رسول آزاد اور جموں سے پروفیسر اسحٰق نے آل انڈیا مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں شرکت کر کے ریاست کی نمائندگی کی۔

اس تاریخی اجلاس میں پاکستان کا ریزولیوشن پاس ہوا۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو باقاعدہ طور پر کئی سیاسی رہنماؤں نے مل کر مسلم کانفرنس کو زندہ کرنے کا اعلان کیا۔ انھوں نے ایک ریزولیوشن پاس کیا جس میں نیشنل کانفرنس کے وجود کی سخت ترین الفاظ میں نکتہ چینی کی گئی۔ اس ریزولیوشن پر جن اصحاب نے دستخط کیے ان کے نام ہیں۔

(۱) سردار گوہر رحمان
(۲) سردار فتح محمد خاں کریلوی پونچھ
(۳) مرزا عطاء اللہ خاں راجوری
(۴) قاضی عبدالغنی دلنہ
(۵) پیر ضیاء الدین بڈگام
(۶) بابو عطا محمد جموں
(۷) چوہدری عبدالکریم میرپور
(۸) چوہدری حمید اللہ خان جموں
(۹) منشی محمد دین فوق
(۱۰) سید حسین شاہ جلالی سرینگر
(۱۱) قریشی محمد یوسف سرینگر
(۱۲) محمد اسماعیل ساغر جموں
(۱۳) غلام حیدر غوری جموں
(۱۴) سید میر شاہ اندرابی سرینگر

نیشنل کانفرنس سے بعض رہنماؤں کے چلے جانے اور مسلم کانفرنس میں شامل ہونے سے اس کی قوت میں کچھ اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لیے انھوں نے ۲۳ اپریل کو گول باغ میں ایک اجتماع کا انعقاد کیا۔ اس جلسہ میں شامل ہونے کے لیے دن کو

ایک عظیم الشان جلوس شہر میں گھمایا گیا۔ جس کے آگے بینڈ باجہ تھا۔ اس جلوس میں ہزاروں لوگوں کی شرکت سے جوش و جذبہ پیدا ہو گیا۔ مسلم اسکول کے طلبا نے علیحدہ طور ایک جلوس نکالا۔ یہ طلبا، جو سبز ہلالی پرچم لیے ہوئے جلسہ گاہ کی طرف جا رہے تھے۔ نیشنل کانفرنس کے حامیوں نے ان پر گھات لگا کر حملہ کیا، ان کے پرچم چھین کر انہیں زدکوب کر کے مار بھگایا۔ اس بھاگ دوڑ میں بعض والدین کے ہاتھوں اپنے بچے زدکوب کے شکار ہو گئے۔ دوسرے روز ۲۴ اپریل کو نیشنل کانفرنس نے مجاہد منزل میں جلسہ کرنے کی منادی کرائی اور اس کے لیے بھی شہر میں جلوس گھمایا گیا۔ اس جلوس کے لیے جگہ جگہ محرابیں لگائی گئی تھیں۔

مسلم کانفرنس کا نیا جنم اور پنڈت لیڈروں کی نیشنل کانفرنس سے عدم دلچسپی سے کانگریس خاصی پریشان ہو گئی، شیخ عبداللہ کی دعوت پر مئی کے اختتام پر پنڈت نہرو سرینگر تشریف لائے تو انھوں نے شیتل ناتھ مندر میں کشمیری پنڈتوں کو اس بات کی تلقین کی کہ وہ شیخ صاحب کے لیے ایسے مسائل پیدا نہ کریں جن سے اُن کے لیے مشکلات کھڑے ہو جائیں۔ بلکہ آپ ان کا ہاتھ بٹائیں تاکہ مسلم رہنماؤں کے سامنے انہیں کسی قسم کی خفت نہ اُٹھانی پڑے۔ پنڈت نہرو کے سامنے انھوں نے ایسا ہی کرنے کا اقرار تو کر لیا لیکن ۱۳ جولائی کے روز یوم شہدا منانے پر اُنھوں نے زبردست اعتراض کیا۔ پنڈت رہنماؤں کا کہنا تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے کاز کے لیے مر گئے ہیں۔ لیکن اب ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ کاز ہے لہٰذا یہ دِن منانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس قسم کی تقریب سیکولرازم کے نظریات کی منافی ہے۔ شیخ صاحب ایک طرف اگر سیکولرازم کی دہائی دے رہے ہیں تو دوسری طرف سیکولرازم کے خلاف کام کر رہے ہیں۔

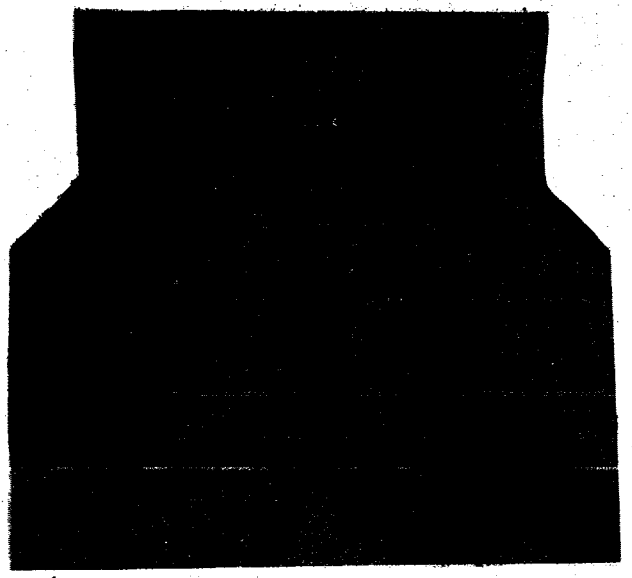
پنڈت رہنماؤں کی اس دلیل سے شیخ عبداللہ سخت الجھن میں پڑ گئے انہوں نے اپنی طرف سے پنڈت رہنماؤں کو منانے کی بہت کوشش کی اور ایسے دن منانے کی بیرونِ ممالک کئی مثالیں دیں لیکن پنڈت رہنما اُن کی دلیل سے قائل نہ ہو سکے، پنڈت رہنماؤں کو منانے کے لیے شیخ صاحب جس حد تک جا سکتے تھے گئے لیکن اس کے باوجود بھی جب وہ اپنی ہٹ پر قایم رہے تو بعض مسلم رہنماؤں نے شیخ عبداللہ کا رویہ نامناسب سمجھا اور وہ ان سے روٹھ کر چلے گئے۔

ان مسلم رہنماؤں میں غلام نبی گلکار، چوہدری غلام عباس خاں، مستری یعقوب علی منشی شہاب الدین اور خواجہ غلام احمد عشائی شامل تھے۔

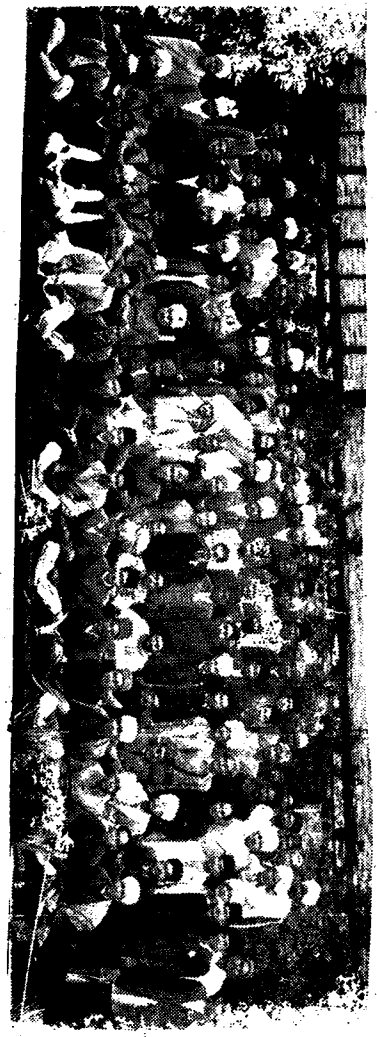
ان احباب کے چلے جانے سے نیشنل کانفرنس کی ایک دیوار منہدم ہو کر گر گئی۔ شیخ عبداللہ اس صدمہ سے دوچار ہو گئے۔

بقول شاعر وہ پنڈت رہنماؤں سے کہنے لگے۔ ص

تری محفل کی خاطر ربط ہر محفل سے توڑا تھا
یہاں سے اٹھ کے اب جائیں تو ہم جائیں کدھر جائیں



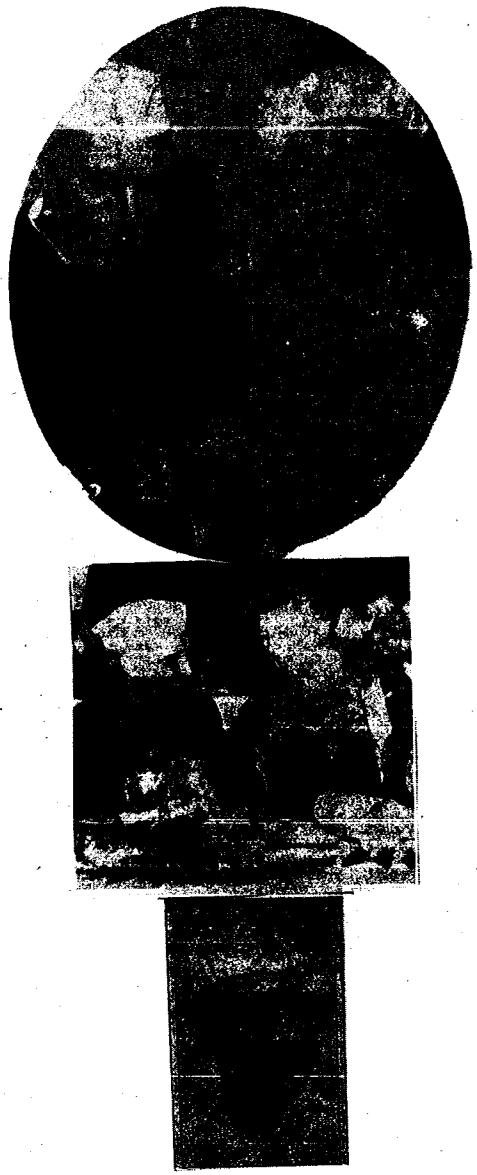
دائیں سے بائیں :۔ (۱) مستری یعقوب علی (۲) غلام احمد عشائی (۳) غلام نبی گلکار (۴) چوہدری غلام عباس خان۔



نیشنل کانفرنس اور اس کی جماعت کی لیڈر شپ۔



پنڈت جواہر لال نہرو جنہوں نے کشمیر حاصل کرنے کے لیے شیر کشمیر کو حاصل کر لیا۔



پنڈت نہرو کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ نسوانیت کے بڑے شوقین تھے۔

نوے جس ملبوس سے ڈھانپے امارت کے جذام
حادثوں کا ہاتھ اس ملبوس کو اُلٹا گیا

فخرِ ہند پنڈت جواہر لال نہرو اور کشمیر کے ساتھ اُنکی وابستگی

کشمیری پنڈتوں کی شکایات لے کر شیخ صاحب پنڈت نہرو سے ملے تو انھوں نے پنڈت نہرو سے درخواست کی کہ وہ خود سرینگر آکر کشمیری پنڈتوں کو سمجھا دیں، کیوں کہ وہ آئے دِن نت نئے قصے کھڑا کر کے میرے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ پنڈت نہرو نے سرینگر آنے کی شیخ صاحب کی درخواست قبول کی چنانچہ ۳۰ مئی کو پنڈت جواہر لال نہرو خان عبدالغفار خاں اور دوسرے چند کانگریسی لیڈروں کے ہمراہ سرینگر کے لیے روانہ ہو گئے۔



خان عبدالغفار خاں - جواہر لال نہرو

۲۸ مئی کو پنڈت نہرو کے لیے استقبالیہ کمیٹی تشکیل دینے کے دوران پنڈت کیشپ بندھو اور سری کنٹھ توشخانی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کس کی اجازت سے پنڈت نہرو کو یہاں آنے کی دعوت دی ہے؟ اس خلاف توقع استفسار سے ایک ہنگامہ کھڑا ہوا۔ شیخ صاحب سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ ہنگامہ آرائی کے دوران استقبالیہ کمیٹی کے صدر پنڈت جیالال کلم چن لیے گئے۔ کمیٹی

میں صدر کے مشورے سے ۱۲ ممبران لیے گئے۔ شیخ عبداللہ من مانی کاروائی کی پاداش میں استقبالیہ کمیٹی سے علیحدہ رکھے گئے۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے عین استقبال کے روز انتظامیہ کمیٹی سے جیالال کلم اور کیشپ بندھو کی علیحدگی نے نیشنل کانفرنس کے لیے عجیب صورت حال پیدا کر دی۔

۲۹ مئی کو پنڈت جواہر لال نہرو خان عبدالغفار خاں اور دوسرے کانگریسیوں کے ساتھ مظفر آباد میں وارد ہوئے تو یہاں میاں احمد یار خاں کی میت میں نیشنل کانفرنس کے ورکروں نے ان کا خیر مقدم کیا؛ اوڑی پہنچنے پر شاندار استقبال کیا گیا۔ ان کے اعزاز میں یہاں ایک جلسہ بھی ہوا، مہورہ میں انھوں نے رات بسر کی، اگلے روز شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں لطیف قریشی، نصراللہ خان، غلام حسن انقلابی سیف اللہ شاہ، شیخ محمد اکبر اور کئی دوسرے عہدیداروں اور کارکنوں نے بارہمولہ میں معزز مہمانوں کا استقبال کیا۔ بارہمولہ سے پنڈت نہرو کو کاروان کی صورت میں سرینگر لایا گیا۔ سنگرامہ میں صوفی محمد اکبر عبدالغنی ملک، غلام رسول کار اور دوسرے نیشنل کانفرنسیوں نے ان کا استقبال کیا، پٹن میں غلام محمد جالب کی سرکردگی میں مقامی کارکنوں نے کاروان کا خیر مقدم کیا۔

چھتر بل پہنچنے پر نیشنل سکول کے طلبا نے مہمانوں کو گارڈ آف آنر دیا۔ یہاں ایک شامیانے کے نیچے پنڈت نہرو کو نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے ارکان، ممبران اسمبلی اور مجلس استقبالیہ کے ممبران سے متعارف کرایا گیا۔

چھتر بل ویر سے پنڈت نہرو کا شاندار دریائی جلوس ترتیب دیا گیا۔ جلوس کو عالی کدل پہنچنے پر مسلم کانفرنس کے حامیوں کے شدید مخالفانہ مظاہروں کا شکار ہونا پڑا۔ اہل جلوس پر مہاراج گنج سے زینہ کدل تک دریائی سفر میں کئی جگہوں پر نہ صرف زبردست سنگباری کی گئی بلکہ مظاہرین نے عریانیت کا بدترین مظاہرہ کیا۔

مسلم کانفرنس کے حمایتیوں کے ساتھ دریائی جلوس کے دوران نیشنل کانفرنس سے کنارہ کش پنڈت لیڈروں کے ایما پر کئی من چلے لڑکوں نے نیشنل کانفرنس کے ماٹوز، محرابیں اور جھنڈے پھاڑ ڈالے۔ اس طرح انتشار، افراتفری اور طوفان بدتمیزی کے بعد جلوس گھاٹ امیرا کدل پر اختتام پزیر ہوا۔

ہری سنگھ ہائی سٹریٹ سے ریذیڈنسی روڈ تک نیشنل کانفرنس کے حامیوں نے ان کا

والہانہ استقبال کیا۔

۳۱ مئی کو حضوری باغ میں کانگریس کے رہنماؤں کے اعزاز میں استقبالیہ جلسہ منعقد کیا گیا۔ امیرا کدل سے حضوری باغ تک سڑک کو محرابوں سے سجایا گیا

حضوری باغ کے اسٹیج پر شیخ عبداللہ نے پنڈت جواہر لال نہرو کو سپاسنامہ پیش کر کے انہیں قابل فخر "فرزند کشمیر" کے نام سے خطاب کیا۔ اور ان کی بین الاقوامی حیثیت و شہرت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اہل کشمیر کے لیے آپ کی ذات و وجود قابل صد افتخار ہے۔

نیشنل کانفرنس کی طرف سے ان کے اعزاز میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔

"ہماری تحریک کو غرض مندوں اور مخالف طبقوں کی طرف سے بدترین قسم کی غلط بیانیوں کا شکار ہونا پڑا حتیٰ کہ بیرون ریاست کے قوم پرست اخبارات میں بھی یہ زہریلا پروپگنڈا جاری رکھا گیا تھا اور ہمارا راستہ روکنے کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے گئے۔ اگرچہ بڑی حد تک یہ پروپگنڈا مدہم پڑ گیا لیکن ابھی اس کا کلی خاتمہ نہیں ہوا، ایسے حلقے اب بھی موجود ہیں جہاں دیدہ و دانستہ یہ غلط بیانیاں جاری ہیں مگر یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم آپ کو جو ہندوستان کی آزادی اور ترقی کے مشعل بردار ہیں اپنے درمیان پاتے ہیں آج آپ بچشم خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ کشمیر میں ہماری تحریک کیا ہے اور ہم کن لوگوں کی ترجمانی کر رہے ہیں اگر آنجناب ہم کو صحیح راستہ پر پائیں تو ہماری امداد فرمائیں اور اگر دیکھیں کہ ہم کسی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں تو آپ کا حق ہے کہ آپ ہمیں درست اور نیک مشورہ دیں۔ آپ کا مشورہ ہمارے لیے مشعل راہ ہوگا۔ آپ کا مشورہ ہمارے لیے شامل رہا تو ہم کٹھن راستہ طے کرنے میں راحت محسوس کریں گے۔ آپ کا دست شفقت ہم پر رہا تو ہم اپنی منزل کی طرف عزم و ہمت کے ساتھ گامزن ہوں گے ....."

پنڈت نہرو نے سپاسنامے کا جواب دیتے ہوئے ان دنوں کی یاد تازہ کی جب وہ پہلی بار ۱۹۱۶ء میں کشمیر آئے تھے۔ انھوں نے کشمیری رہنماؤں کو متنبہ کیا کہ موجودہ زمانے میں جذباتی نعروں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ جو لوگ جذباتی نعروں کی بھول بھلیوں میں پھنس کر یہ سمجھنے لگے ہیں کہ وہ کسی قسم کا تغیر و تبدل لا سکتے ہیں۔ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔

(دریائی جلوس کے دوران مظاہرین کی طرف اشارہ) آج کی انقلابی دنیا میں خالی اور کھوکھلے نعروں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

انھوں نے کشمیری لیڈروں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"میں جب بھی یہاں آیا اور مجھے آپ کی تقریریں سننے کا موقع ملا تو آپ نے اپنی قربانیوں کا تذکرہ کچھ زیادہ ہی کیا۔ اپنی تقریروں اور تحریروں میں آپ قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہیں۔ دراصل جدوجہد اور قربانی ہی زندگی ہے۔ اگر ہم قربانی نہ دیں۔ جدوجہد نہ کریں تو کیا ہم چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی گزاریں۔؟

طاقت کا اصل منبع عوام ہیں اور یہی طاقت جب انقلاب بپا کرنے آتی ہے تو قومیں نئی زندگی پاتی ہیں۔ میں آپ کی نگاہوں اور تابناک چہروں کو دیکھ کر یہ اخذ کرتا ہوں کہ آپ لوگ میرے ہم سفر ہیں ..... ہندوستان کی ریاستیں ہندوستان سے علیحدہ نہیں رہ سکتیں، یہ ہندوستان میں ناممکن بات ہے کہ مسلم راج یا ہندو راج ہو، اس میں جو کوئی راج ہوگا وہ ہندوستانی عوام کا راج ہوگا ہندوستان سے ایک ایک انگریز آفیسر کو نکالا جائے گا اور اُن کی جگہ ہندوستان کے آفیسر لگادئے جائیں گے مگر اس کا نام آزادی نہیں آزادی یہ ہے کہ ۳۶ کروڑ انسان اپنے اختیارات سے حکومت چلائیں، اس طرح کا قائم شدہ نظام تمام ہندوستانیوں کا وہ جمہوری طرز نظام ہوگا جو جملہ رائے دہی کے تحت عمل میں لایا جائے گا۔"

پنڈت نہرو کے بعد خان عبدالغفار خاں نے تالیوں کی گونج میں عوام سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔

"میں دو دن سے کشمیر میں قیام پذیر ہوں، میں نے تمام طبقہ کے لوگوں کو دیکھا، حالات کو دیکھ کر خوش بھی ہوا اور رنج بھی محسوس کیا، رنج اور دکھ اس وجہ سے کہ کشمیر جیسے دلفریب ملک میں مرد، عورتیں اور بچے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے یا عریانی کی حالت میں ننگے سر ہیں۔ وہ غربت اور آلام کے شکار ہیں۔ اور خوشی مجھے آپ کی جدید بیداری سے ہوئی ہے۔ یہ احساس پہلے میں نے

نہیں دیکھا تھا۔ اگر پنڈت جی آپ کے ساتھ ہم وطنی کا رشتہ رکھتے ہیں تو میں آپ کا قریب ترین پڑوسی ہوں۔ مجھے ہندوستان کا مستقبل آپ کا جوش و خروش دیکھ کر روشن نظر آرہا ہے۔ انقلاب آرہا ہے۔ آئے گا اور یہ انقلاب قوموں سے اپنی قیمت وصول کرتا ہے۔ یہ قیمت قربانی ہے۔ جو قوم قیمت دینے کے لیے تیار ہو وہی انقلاب سے مستفید ہو سکتی ہے۔ اگر آپ فائدہ اٹھانے کے خواہاں ہیں تو آپ کو نااتفاقی اور خانہ جنگی بند کرنی چاہیے۔ اگر آپ میں بے غرض، بے لوث اور خدا کی مخلوق کی خدمت کرنے والے نوجوان پیدا ہو گئے تو آپ منزل اور نصب العین تک پہنچ سکتے ہیں۔"

خان عبدالغفار خاں کے بعد مولانا مسعودی کھڑے ہوئے قبل اس کے کہ وہ کچھ کہہ دیتے مسلم سوشل پارٹی کے رضاکار دھڑا دھڑ اسٹیج پر چڑھ کر مائک سنبھالنے لگے۔ لیکن نیشنل کانفرنس کے عہدیداروں نے ان سے مائک چھین لی، اسٹیج پر ایک افراتفری سی پھیل گئی۔ چند جوانوں نے میمورنڈم کی کاپیاں جو ہاتھ سے لکھی گئی تھیں اٹھا کر پھینک دیں۔ میمورنڈم کے ذریعے پنڈت نہرو کی حمایت حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اسٹیج پر ایک ہڑبھونگ مچادی۔

سات نکات پر مشتمل یہ میمورنڈم جو ڈوگرہ حکومت کے لیے تھا۔ مسلم سوشلسٹ پارٹی کے جوان اس کی تائید کی آڑ میں پنڈت نہرو کی قوم پرستی کا امتحان لینا چاہتے تھے۔

سات نکاتی پروگرام کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) قانون گاؤکشی میں ترمیم کی حمایت۔

(۲) گلینسی کمیشن رپورٹ کی سفارشات پر مکمل عمل درآمد۔

(۳) ریاست میں ذمہ دار نظام حکومت۔

(۴) سود خوری اور چک داری کا خاتمہ۔

(۵) سرکاری ملازمتوں میں آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کی نمائندگی۔

(۶) انڈر میٹرک مسلم امیدوار کو غیر مسلم میٹرک پاس پر ترجیح۔

(۷) تبدیلی مذہب پر نومسلم کی جائداد کی ضبطی کا سدباب۔

پنڈت نہرو، خان عبدالغفار خاں اور دوسرے رہنماؤں نے میمورنڈم کی کاپیاں لے لیں

لیکن اس کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا، جلسہ بخیر و خوبی انجام پایا۔ ا

اگلے روز نیشنل کانفرنس کے ورکروں نے گوفی کھن امیرا کدل میں مسلم سوشلسٹ پارٹی کے دفتر پر حملہ کر کے اس کا سارا سامان باہر نکال کر اسے دریائے جہلم میں پھینک دیا۔ اس واقعہ کے بعد مسلم سوشلسٹ پارٹی مسلم کانفرنس میں مدغم ہو گئی۔

۲ جون کو پنڈتوں کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے نہرو نے اختلافات چھوڑ کر شیخ صاحب کے ہاتھ مضبوط کرنے پر زور دیا۔ یہاں ناراض پنڈتوں کے ساتھ مسلم لیگ کے حمائیتوں نے جلسہ گاہ پر ہلہ بول دیا اور پنڈت نہرو کے خلاف نعرے لگائے۔

پنڈت نہرو اور دوسرے رفقاء کو بحفاظت جلسہ گاہ سے نکالا گیا۔ اگلے روز پنڈت جواہر لال نہرو اسلام آباد روانہ ہو گئے۔ مرزا محمد افضل بیگ نے شیر باغ اسلام آباد میں ان کے اعزاز میں پبلک جلسہ کیا، نیشنل کانفرنس کی طرف سے شیر باغ کے اطراف کا معاصرہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ مسلم کانفرنس کے حمائیتوں کے ساتھ ساتھ کسان مزدور اور دوسرے لوگ اسلام آباد کی سڑکوں پر مخالفانہ مظاہرہ کر رہے تھے۔

اسلام آباد کے جلسہ اختتام پر پنڈت نہرو مٹن کے لیے روانہ ہو گئے۔ ایک قافلہ کے ساتھ مٹن پہنچنے پر ان کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ مٹن کے جلسے میں انھوں نے فرقہ وارانہ یک جہتی کا درس دیا۔

مٹن میں کافی وقت گزارنے کے بعد آپ پہلگام کے لیے روانہ ہو گئے۔

پنڈت نہرو، خان عبدالغفار خاں، دوسرے کانگریس لیڈروں نے وادی کا دس روز تک دورہ کیا۔

شہریوں کی طرف سے ۵ جون کو معزز مہمانوں کے استقبالیہ جلسہ کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے ان کی بے حد تعریفیں کیں تو انھوں نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"شیخ محمد عبداللہ نے ذاتی طور پر میری جتنی تعریفیں کیں میں اپنے آپ کو اتنا قابل نہیں سمجھتا ہوں، میں تو ایک انسان ہوں میرا ذکر یہاں مہمان کے طور پر ہوا ہے۔ حالانکہ مجھے کشمیری ہونے کا فخر حاصل ہے مجھے ہندوستان کے اقتدار اعلیٰ کے بدلے کشمیر کے لیے قیدی بننا زیادہ پسند ہوگا کشمیر کے ساتھ میری وابستگی ایک حسین عورت کے ساتھ اس کے عشق کی والہانہ کیفیت ہے۔ کشمیر بھارت کا

سر ہے اور سر کے بغیر جسم کی کوئی اہمیت نہیں۔ جمہور کی رہنمائی کرنے اور کامل تدبر کے ساتھ عوام کو نصب العین کی طرف لے جانے کے تمام اوصاف شیخ صاحب میں موجود ہیں۔ شیخ صاحب نے مخالفت کے باوجود تحریک کو فرقہ وارانہ راستہ سے نکال کر قوم پرستی کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ کشمیر کی یہ انتہائی خوش قسمتی ہے کہ انہیں شیخ عبداللہ جیسا بہادر اور دور اندیش رہنما ملا ہے۔ میں کشمیری پنڈتوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے تحفظ کے لیے محدود ذرائع کا سہارا لینا چھوڑ دیں وہ شیخ صاحب کا ہاتھ بٹانے میں پیش پیش رہیں۔"

اس موقعہ پر شیخ صاحب پھر کھڑے ہوئے اور ہاتھ کھڑا کر کے فرمایا۔

"مجھے ذاتی طور پر پنڈت جواہر لال نہرو کی کشمیر کے ساتھ وابستگی نے بہت متاثر کیا اور ہماری گہری دوستی کی بنیاد اسی مشترکہ عشق پر پڑی ہے۔ وقت کی کسوٹی پر ہماری یہ دوستی کھری اترے گی، مسلم لیگ کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔"

شیخ صاحب بیٹھ گئے تو خان عبدالغفار خاں نے عوام سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"..... شیخ عبداللہ کشمیریوں کے لیے ایک خدائی تحفہ ہے اگر آپ اس کی پیروی نہیں کریں گے تو خسارے میں رہیں گے ....."

پنڈت جواہر لال نہرو کا یہ کہنا شیخ صاحب نے مخالفت کے باوجود تحریک کو فرقہ وارانہ راستہ سے نکال کر قوم پرستی کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ کشمیر بھارت کا سر ہے اور سر کے بغیر جسم کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے برصغیر کی تقسیم سے قبل ان دونوں لیڈروں کے کشمیر کے بارے میں کیا خیالات تھے۔

وادی میں پنڈت نہرو اور دیگر کانگریسی رہنماؤں کے دورے کے دوران مختلف تنظیموں کی طرف سے مختلف افواہیں پھیلائی گئیں۔

پنڈت نہرو کے دورے کو نیشنل کانفرنس کی پالیسی اور پروگرام سے تعبیر کر کے یہ نکتہ اُبھارا کہ پنڈت نہرو نے قوم پرست لیڈروں کے مطالبہ ذمہ دار نظام حکومت کے حق میں حرف علت تک زبان پر نہ لایا، پروپگنڈے کی اس رَو نے کچھ اس انداز میں پنڈت نہرو کے احساسات و انا کو جھنجھوڑا کہ انہیں بیان دئے اور مطالبہ ذمہ دار نظام حکومت کا مہم

تذکرہ کیے بنا کوئی چارہ نہ لگا۔

انھوں نے اپنے بیان میں شیخ محمد عبداللہ کی قیادت اہل ریاست کے لیے نیک فال قرار دی، کشمیری پنڈتوں کو انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی کے بندھنوں کو توڑ کر ملک کے وسیع مفادات کی خاطر نیشنل کانفرنس میں شامل ہو جائیں۔

پنڈت نہرو نے اپنے بیان میں مزید فرمایا۔

"میں کشمیر میں ایک سیاح یا اجنبی کی طرح نہیں بلکہ اس سرزمین کے بیٹے کی حیثیت سے آیا ہوں اور اسی حیثیت سے کشمیر کے مردوں، عورتوں اور بچوں نے میرا پرتپاک اور محبت بھرا خیر مقدم کیا، مدتیں گزریں کہ میں ہندوستان کے کسی مخصوص حصے کو اپنا وطن کہنے کی عادت ترک کر چکا ہوں، میں نے کوشش کی ہے کہ میں تمام ہندوستان کو بحیثیت مجموعی اپنا وطن سمجھوں اور اپنی سرگرمیوں کے دائرے کو اس عظیم الشان ملک کے کناروں تک وسعت دوں۔ اس لیے میرا تصور سارے ہندوستان کے گھیرے میں رہتا ہے۔ مگر کشمیر مجھے محبوب ہے کیونکہ اس کے پہاڑوں اور وادیوں کا خون میری رگوں میں جوش مار رہا ہے۔ اور جو شخص بھی اس مسحور کن سرزمین کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھتا ہے اس کو حق ہے کہ وہ اس تعلق پر جتنا چاہے فخر کرے۔

یہ چند دن جو میں نے کشمیر میں بسر کیے میں نے وادی سے لے کر پہاڑوں اور گلیشیروں کی چوٹیوں تک سیر کی، میری آنکھوں نے کشمیر کی اس محبوبیت کو دیکھا جس سے انسان کے احساسات میں کھلبلی پیدا ہو جاتی ہے اور اس ہوا میں سانس لینے سے جو خون میں جوش اور جسم میں حیات و شبہات کے ولولے زندہ ہوتے ہیں۔ میں یہاں ہر درجہ اور رتبہ کے مردوں اور خواتین سے ملا اور غریبوں سے بھی ملاقات ہوئی، میں نے شہر کے تعلیم یافتہ فلاسفروں سے لے کر گلیشیروں کے آس پاس پہاڑوں کی چوٹیوں پر ریوڑ چرانے والے نیم وحشی گوجروں تک ذاتی رسائی پیدا کی، میں نے یہ بھی دیکھا یہاں کے عوام میں بیداری پیدا ہو گئی ہے اور جہاں حکومت پر جمود اور بے حسی طاری ہے وہاں لوگ جوش اور حرکت میں ہیں۔ یہ حالات پیش خیمہ اور آثار ہیں۔ اس بہتر وقت کے جب کشمیر میں

ذمہ دار نظام حکومت قائم ہوگا اور کشمیر کے قدرتی وسائل اور ممکنات اس کے فرزند کی بہتری کے لیے استعمال میں لائے جا سکیں گے۔ میں ان تمام انجمنوں اور افراد کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔ شیخ محمد عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کا بدوران قیام کشمیر جن کا مہمان رہنے کا مجھے شرف حاصل رہا۔ شیخ صاحب میں جمہور کی رہنمائی کرنے اور کامل تدبر کے ساتھ عوام کے نصب العین کی طرف لے جانے کے تمام اوصاف جمع ہیں۔ موصوف نے تحریک عامہ کو باوجود مخالفتوں اور دقتوں کے فرقہ وارانہ راستے سے ہٹا کر قوم پرستانہ شاہراہ پر کامیابی سے ڈال دیا ہے اور کشمیر کو آپ نے ہندوستان کی قومی تحریک کا میدان بنا لیا ہے۔ کشمیر کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ اس کو شیخ محمد عبداللہ ایسا بہادر، دوراندیش اور مدبر رہنما نصیب ہوا ہے۔

کشمیری پنڈتوں سے میں خصوصی اپیل کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ مجھے اُن پر کچھ حق حاصل ہے جیسا کہ اُن کو مجھ پر حاصل ہے۔ کشمیری پنڈتوں کو چاہیے کہ وہ وقت کے اہم واقعات میں بہادرانہ حصہ لیں جو ہماری پرانی دنیا کو تبدیل کرنے کا موجب بن رہی ہے پرانے طور طریقے بدلتے جا رہے ہیں اور مستقبل میں شان ان ہی کو حاصل ہو سکتی ہے جو اپنے آپ کو بدلتے ہوئے حالات کے سانچے میں ڈھالنے کی قابلیت رکھتے ہوں، پرانے سوالات پرانے دلائل اور پرانے اعتراضات آج مر چکے ہیں اور اُن کی کوئی اہمیت حاصل نہیں رہی۔ آیئے ہم سب ان سوالات کو حل کرنے کے لیے ایک متحدہ اور آزاد ہندوستان قائم کرنے کے لیے اور ہندوستان سے دکھ درد اور افلاس کا خاتمہ کرنے کے لیے اپنے دل سے مخاطب ہو جائیں۔"

پنڈت جواہر لال نہرو کا دورہ اختتام پذیر ہوا تو ۱۰ ارجون کو انہیں الوداع کہنے کے لیے شیخ عبداللہ، شیام لال صراف اور ڈی۔ پی۔ در جموں تک اُن کے ساتھ گئے۔ جموں میں کانگریس کی جانب سے مہمانوں کے اعزاز میں ایک شاندار جلوس نکالا گیا۔ پنڈت نہرو اور خان عبدالغفار خاں کو گھوڑوں پر سوار کر کے جموں شہر کی سڑکوں پر گھمایا گیا۔



(بائیں سے دائیں) قاضی عبدالغنی ریلوے یونین کے لیڈر، چودھری غلام عباس۔ شیخ محمد عبداللہ۔ شیخ محمد اکبر۔ سردار کے لیے کام کرنے والے یہ لیڈر اس تحریک کو پارہ پارہ کرنے کے لیے آپس میں لڑ پڑے۔

نئی دنیا بنانے کو نئے عنصر نہیں آتے
یہی مٹی بدلتی ہے یہی ذرے اُبھرتے ہیں

مسلم کانفرنس کا احیأ نو
نیشنل کانفرنس کے ساتھ اس کا ٹکراؤ

مسلمانوں کا ایک باشعور طبقہ جو اسلامی تنظیم پاش پاش ہو جانے کی وجہ سے تصویر یاس و اضطراب بنا ہوا تھا اور عوام کی اکثریت بھی بددِل ہو چکی تھی شیخ عبداللہ کی طرف سے غیر مسلموں کی حرکات پر ناراض ہونے سے وہ نئے سرے سے اپنے مستقبل پر غور کرنے لگے۔ چنانچہ انھوں نے مسلم کانفرنس کو دوبارہ زندہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

یکم اکتوبر ۱۹۴۰ء کو منشی محمد دین فوق کی صدارت میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے ارکان کا ایک خصوصی اجلاس ہوا جس میں جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے احیاء نو کا فیصلہ کیا گیا اور ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

کمیٹی نے اتفاق رائے سے نیشنل کانفرنس کو مسترد کر کے مسلم کانفرنس کو زندہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس فیصلے سے چوہدری غلام عباس خان جو نیشنل کانفرنس سے علیحدگی اختیار کر کے جموں چلا گیا تھا کو مطلع کیا گیا۔

چند روز کے اندر اندر جن اصحاب نے اس تنظیم میں دوبارہ شمولیت کی ان میں ثنا اللہ شمیم، غلام نبی زندہ دل، محمد یوسف صراف، غلام حسن ڈار، محمد علی، عبدالرحیم درانی، میر عبدالعزیز، غلام مصطفےٰ، پروفیسر اقبال، خورشید حسن، آغا شوکت علی، ایم۔ اے صابر، حاجی جلال الدین، سیف الدین، غلام محمد ابرار شاہ، سرور خان، عبدالغفار گجری، اقبال چاپری، ثنا اللہ ڈیلدار، عزیز خان، محمد سلطان تانترے، عبدالغنی ریشی،

غلام نبی رینٹھو، عبدالعزیز مسگر، غلام قادر زرگر، غلام قادر کار، عبدالسلام تیتو، مصطفےٰ اعلی وغیرہ ہیں۔

بقول چوہدری غلام عباس خان اُدھر میں اور میرے ساتھی شرمسار اور پریشان تھے کہ جس قوم کے لیے اتنی جدوجہد کی اس کا کیا انجام ہوگا لیکن قوم کے معاملہ فہم بالغ نظر اور دور اندیش لوگوں نے قومی خطرے کا نشان بلند کر دیا۔ اور عوام نے بھی اپنے مستقبل کی بھیانک تصویر دیکھ کر انگڑائیاں لینی شروع کیں نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ریاست کے طول و عرض میں ایک حرکت پیدا ہوگئی اور مسلم کانفرنس کو ایک نیا جنم دینے کے لیے مسلم کانفرنس کے رہنما سامنے آگئے۔

مسلم کانفرنس کے لیڈروں نے سرینگر، اسلام آباد، پلوامہ، شوپیان، بجبہارہ، کلگام کے ساتھ بارہمولہ، سوپور، ہندوارہ کپوارہ، بانڈی پورہ، گاندربل، بڈگام وغیرہ علاقہ کا دورہ کیا، جموں کے ساتھ نوشہرہ، راجوری، پونچھ میرپور، مظفر آباد اور دوسرے علاقہ جات کا دورہ کیا اور مسلم کانفرنس کو نئی زندگی دینے کے لیے دوڑ دھوپ کرنے لگے۔ مسلم کانفرنس کے رہنما جہاں جہاں جاتے نیشنل کانفرنس کے لیڈران کا پیچھا کرتے اور مسلم کانفرنس کی ساکھ جو دوبارہ اُبھر رہی تھی اسے توڑنے کے لیے اپنے ترکش کے تیر استعمال میں لائے۔

شیخ عبداللہ نے ضلع راجوری کا دورہ کر کے مسلم کانفرنس کے صدر چوہدری غلام عباس خاں کو چیلنج دیا کہ اگر وہ راجوری کے کسی علاقے میں جا کر اجتماع کر سکتے ہیں تو میں انھیں ایک ہزار روپے انعام دوں گا۔ چوہدری عباس خاں نے یہ چیلنج قبول کر لیا اور راجوری میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کر کے نیشنل ازم کی تازہ کھڑی دیوار منہدم کر دی۔ راجوری کے لوگوں کی اس حرکت سے نالاں ہو کر جب شیخ صاحب نے دوبارہ وہاں کا دورہ کیا تو انھیں وہاں اسقدر پیٹا گیا کہ انہیں لہولہان ہو کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ شیخ صاحب بھاگتے بھاگتے پونچھ پہنچ گئے تو وہاں بھی ان کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا گیا۔ پونچھ میں ان کی ایسی ذلت ہوئی کہ انہیں اجتماع سے بھاگنا پڑا۔

بقول عباس خاں، شیخ عبداللہ پر انیوٹیٹ اور ذاتی مجبوریوں سے آگاہ تھے اُن کو غالباً یہ یقین تھا کہ میں مسلم کانفرنس کی تنظیم نو کے بار گراں کا متحمل نہ ہو سکوں گا لیکن

مسلم کانفرنس کی احیاء کی وجہ سے ان کو اب جان کے لالے پڑ گئے اور وہ زخم خوردہ چیتے کی طرح جھنجھلا گئے۔

مسلم کانفرنس نئے سرے سے شہر اور دیہات میں سرگرم ہوگئی تو مولوی یوسف شاہ کو تنظیم میں واپس لانے کا فیصلہ کیا گیا۔

قریشی محمد یوسف کی سربراہی میں ایک وفد مولوی محمد یوسف شاہ سے اس سلسلے میں ملاقی ہوا، عبدالسلام دلال کی کوششوں سے نہ صرف مولوی صاحب واپس تنظیم میں آگئے بلکہ انھوں نے مہاراجہ سے وظیفہ کے چھ سو روپے واپس کرنے کا اعلان کیا۔ لوگوں نے ان کے اس اعلان کا خیر مقدم کیا۔

۱۶ اپریل ۱۹۴۱ء کو بخشی غلام محمد، مولانا محمد سعید مسعودی اور خواجہ غلام محمد صادق کی سربراہی میں "دراگ دیو" کا جلوس نکالا گیا "دراگ دیو" سرخ لباس میں ایک کٹھ پتلی کو پہلے شہر میں گھمایا گیا پھر اسے لال چوک میں نذر آتش کیا گیا۔ دراگ دیو کو جلانے کے دوران نیشنل کانفرنس کے حامیوں نے انتہا درجے کی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا انھوں نے قابل اعتراض نعرے لگا کر غیر مسلموں کو ناراض کیا۔ نتیجہ کے طور پر ہندو مسلم فساد بپا ہوگیا۔

اس فساد کی آڑ میں بعض مسلمانوں نے علاقہ زینہ کدل اور مہاراج گنج میں چُن چُن کر ان ہندو دوکانداروں کا مال و اسباب کے ساتھ حساب و کتاب کے کھاتے لوٹ لیے جن کے یہ مقروض تھے اور جن سے کشمیری شالوں اور قالینوں کا خام مال اُدھار لیا جاتا تھا۔ ایسے دوکانداروں کا حساب و کتاب لوٹنے میں مسلمانوں کے بعض صاحب رسوخ اشخاص اور چند ایک لیڈروں کی شہہ تھی۔

غیر مسلموں نے اس لوٹ کھسوٹ کے خلاف احتجاج کیا تو شیخ عبداللہ نے دو قومی نظریئے کا خول اپنے جسم سے اُتار کر گاؤ کدل میں دوران تقریر فرمایا۔

"..... کشمیر جیسے ملک میں جہاں ہندوؤں کو یہ بھی برداشت نہیں کہ مسلمان دریا کے کنارے ایک غسل خانہ تعمیر کریں وہاں نیشنلزم کس کام کا، جو لوگ دریائے جہلم کے کنارے ہمارا ہاتھ منہ دھونا برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کے لیے نیشنلزم کا پرچار کس کام کا، یہ لوگ ہمارے ساتھ کیسے مل پائیں گے۔ ہم ان کو اپنے ساتھ کیونکر رکھ سکتے ہیں ان کے بارے میں ہمیں دوسرے طریقے

اختیار کرنے پڑیں گے۔"

اس طرح کی تقریر کرکے شیخ عبداللہ نے جہاں غیر مسلموں کے لوٹ مار کو اشارتاً حق بجانب قرار دیا۔ وہاں انھوں نے اپنے خیالات اور نظریات کی نفی کرکے سیکولرزم اور سوشلزم کو مسترد کیا، غیر مسلموں کے لیے دوسرے طریقے استعمال کرنے کی دھمکی سے انھوں نے یک طرفہ فیصلہ صادر کر دیا۔

کئی دوکاندار ایک تو لوٹ مار کا شکار ہوئے تھے۔ دوسرا اُن کے کاروبار کے بہی کھاتے ضائع کر دئے گئے تھے۔ بجائے اس کے کہ ان کی دلجوئی کی جاتی انہیں دھمکیاں دے کر چپ کرایا گیا۔ اس طرح نیشنلزم کا خول خود بخود اتر گیا اور وہ کٹر فرقہ پرست بن گئے۔

شیخ عبداللہ کی اس دھمکی اور اُن کے طرز عمل پر پنڈت رہنما ان سے ناراض ہو گئے۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز نے شیخ عبداللہ کی خوب خبر لی اور اپنے اخبار ہمدرد کے ذریعے نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈرشپ کو ہدف ملامت بنایا۔

یہ وہی پریم ناتھ بزاز تھے جنہوں نے شیخ عبداللہ کو مسلم کانفرنس سے نکال کر نیشنل کانفرنس بنوائی۔ انھوں نے شیخ عبداللہ کی قصیدہ خوانی میں ان کے لیے ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام انہوں نے "کشمیر کا گاندھی" رکھا۔ کشمیر کے گاندھی کا دور دور تک چرچا ہوا تو مہاتما گاندھی کو پوچھنا پڑا یہ تیسرا گاندھی کون ہے؟ اب تک صرف دو گاندھی تھے۔ مہاتما گاندھی اور غفار گاندھی، چنانچہ جب انہیں بتایا گیا یہ کشمیر کا عبداللہ گاندھی ہے تو اُن کو انہیں دیکھنے کا شوق ہوا۔

چنانچہ انہیں لاہور بلایا گیا۔ سرحد سے غفار گاندھی نے آکر انھیں اپنے ساتھ وارد ھا لیا جہاں مہاتما گاندھی سے کشمیر کے گاندھی کی ملاقات کرائی گئی۔ وارد ھا کے آشرم میں غفار گاندھی۔ عبداللہ گاندھی نے مہاتما گاندھی کے ساتھ دھارمک تقریب میں مقدس آگ کو ساکشک بناکر ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کا وفادار رہنے کا وعدہ کیا تھا۔



غفار گاندھی　　عبداللہ گاندھی　　مہاتما گاندھی

اب جبکہ کشمیر کا گاندھی اپنے اصل روپ میں آگیا تو پریم ناتھ بزاز نے اخبار "ہمدرد" کے ذریعے ان کا کچا چٹھا نکال کر رکھ دیا۔

چوہدری غلام عباس خان نے صوبہ جموں اور اس کے ملحقہ علاقوں میں مسلم کانفرنس کو نئے سرے سے منظم کرنا شروع کیا اس مشن پر وہ صوبہ کشمیر کے ساتھیوں سے کئی گنا زیادہ



کامیاب رہا۔ چوہدری صاحب نے ذمہ دار نظام حکومت سے زیادہ نظریہ پاکستان کی حمایت کی، اس بارے میں انھوں نے اپنی کتاب "کشمکش" میں لکھا ہے۔

"ہم نے حکومت کی دکھتی رگ کو پکڑ لیا تھا۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئینگر اور اُن کے بعد مہاراجہ کے دوسرے ایجنٹوں نے مسلم کانفرنس کے ساتھ سمجھوتہ کرنا چاہا اور شرط پیش کی گئی کہ ہم ریاست میں پاکستان کا نعرہ ترک کر دیں اس کے معاوضہ میں حکومت ہماری ہر بات ماننے کو تیار تھی۔

نیشنل کانفرنس کے بعد شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقاء پر اسلامیان ریاست کی جانب سے یہ الزام عاید کیا گیا کہ اُن کی قوم پرست تحریک نے گلینسی کمیشن کی نام نہاد رعایت سے بھی مسلمانوں کو محروم کرا دیا۔

رائے عامہ کے اس جائز دباؤ کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی چاہ میں نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے رسم خط، کا ہیجرائی قانون اسلحہ اور سرکاری ملازمتوں میں مختلف فرقوں میں غیر منصفانہ تقسیم کی پالیسی کے خلاف فیصلہ لینے پر اسمبلی پارٹی کے دس ممبروں کو ہدایت کہ وہ اسمبلی کی رکنیت سے مستعفی ہو جائیں۔ چنانچہ اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے سے قبل ۱۵ اپریل ۱۹۴۱ء کو نیشنل کانفرنس سے وابستہ ممبران اسمبلی نے ہائی کمانڈ کی ہدایت پر اپنا اپنا استعفیٰ پارٹی لیڈر میاں احمد یار خاں کے پاس بھیج دیا استعفوں پر عوض خوض کے بعد ۲۳ جون ۱۹۴۱ء کو نیشنل کانفرنس کی پارلیمنٹری پارٹی کے لیڈر احمد یار خاں کی وساطت سے وزیر اعظم کے پاس بھیج دئے گئے۔

اس دوران نیشنل کانفرنس کے ایک ممبر محمد خلیل کچلو نے اپنی رائے بدل دی اور


میاں احمد یار خاں

میاں احمد یار خاں سے اپنے استعفیٰ کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ کانفرنس نے ان کا استعفیٰ واپس کرنے کے بجائے وزیر اعظم کے پاس دوسرے استعفوں کے ساتھ یہ نوٹ لکھ کر بھیجا کہ اُسے کانفرنس کے بنیادی ممبر شپ سے بھی الگ کیا گیا ہے۔ اس طرح اسمبلی میں ممبران کے عدم شرکت کے اعلان کے باوجود مولوی مصطفیٰ مسعودی (مولانا محمد سعید مسعودی کے بھائی) نے اس ہدایت کو نظر انداز کر کے اسمبلی سیشن میں شرکت کی، جب ان سے سرکاری حلقوں سے استعفے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے اپنے ارادے کی تبدیلی اور نیشنل کانفرنس کی ڈکٹیٹرانہ رویہ کی مذمت کی، انہوں نے انکشاف کیا کسی بھی ممبر نے اپنی ذاتی خواہش سے استعفیٰ نہیں دیا بلکہ ان سے جبراً لیا گیا ہے۔

مولوی مصطفیٰ مسعودی کے بیان پر پارلیمانی کمیٹی کے صدر مرزا افضل بیگ نے کانفرنس کے فیصلے کی خلاف ورزی اور اسمبلی سیشن میں شمولیت کی بنا پر انہیں پارٹی سے برطرف کیا۔

ان واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے حکومت کے حوصلے بلند ہوئے اور انہوں نے نیشنل کانفرنس کے ممبران پر جوابی وار کر کے انہیں انتشار میں مبتلا کر دیا۔

۲۲ جولائی ۱۹۴۱ء کو چیف سیکرٹری کے آفس سے میاں احمد یار خاں کے نام ایک چٹھی جاری کی گئی جس میں انہیں مطلع کیا گیا کہ آپ کا استعفیٰ منظور کر کے اسمبلی کی رکنیت سے دستبردار کیا گیا۔ البتہ باقی سات ارکانِ اسمبلی کا استعفیٰ اس بنا پر رد کیے جاتے ہیں کیونکہ ان پر دستخط دیرینہ ہیں۔

چونکہ حلقہ انتخاب حبہ کدل کی نشست آپ کے مستعفی ہونے سے خالی ہوئی ہے فی الحال جنگ عظیم کے تباہ کن حالات کے پیش نظر اس نشست کا ضمنی انتخاب نہیں ہو سکے گا۔

حکومت کی طرف سے ایک مفصل بیان اس سلسلے میں جاری کیا گیا۔ جس میں ممبران کے بارے میں حکومت کا نقطہ نظر واضح کیا گیا۔

"۲۳ جون ۱۹۴۱ء کو میاں احمد یار خاں کا دستخطی بیان بمعہ ایک استعفیٰ کے جو آنریبل وزیر اعظم کی خدمت میں حسب ذیل ممبران پرجا سبھا نے بھیجا تھا۔ (۱) میاں احمد یار خاں (۲) ملک غلام حسن (۳) سید محمد شاہ جلالی (۴) خواجہ اکبر ڈار (۵) غلام حسن خاں (۶) مولوی مصطفیٰ شاہ مسعودی (۷) محمد خلیل کچلو (۸) غلام نبی وکیل (۹) احمد شاہ شہداد (۱۰) سیف الدین شاہ۔

اگر یہ استعفیٰ از روئے قانون درست ہوتے تو دستخط کنندگان کی نشست پرجا سبھا میں زیر دفعہ ۲۷ ضمن (۱) ب آئین اساسی خود بخود خالی ہو جاتی اور ایسے حالات میں اگر ضمنی انتخاب عمل میں لایا جائے تو وہ عملاً تقریباً تمام صوبہ کشمیر کا انتخاب ہوتا ان وجوہات کو مد نظر رکھتے ہوئے جن کی بنا پر حضور مہاراجہ بہادر سے یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ آنجناب اس وسیع پیمانے پر ضمنی انتخابات کے احکام صادر فرمائے ..... قواعد کی دفعہ ۲۸ جو اس مقصد کے لیے باوجود مذکورہ نوٹیفکیشن کے از سر نو قایم کی گئی ہے محض ان خالی نشستوں پر حاوی ہوتی ہے جو قاعدۃ منظور شدہ استعفوں سے خالی ہو جائیں اور ایسے مواقع پر حاوی نہیں ہوتے جہاں معاملہ زیر بحث کی طرح کوئی نشست محض درست استعفیٰ پیش کرنے سے خود بخود خالی ہو جائے لہٰذا جب تک آئین اساسی کی دفعہ ۸، کے تحت غیر معمولی اختیارات از سر نو اس قانونی مشکل کو دور کرنے کے لیے استعمال نہ کیے جائیں تب تک کوئی قانون یا قاعدہ ایسا رائج العمل نہیں جس کے ماتحت موجودہ معاملے میں ضمنی انتخاب کا حکم دیا جا سکے۔ ..... حکومت نے موجودہ صورت میں ان استعفوں کی درستی و باقاعدگی کے سوال کو انتہائی احتیاط سے جانچا، میاں احمد یار خاں نے جو بیان پیش کیا اس کا پہلا فقرہ حسب ذیل ہے۔

اس پارٹی کے ممبروں کے استعفیٰ اسمبلی سے واک آؤٹ کے فوراً بعد ۱۵ اپریل ۱۹۴۱ء کو تیار تھے اور نیشنل کانفرنس کی پارلیمنٹری کمیٹی کی خدمت میں مزید ہدایات کے لیے رپورٹ پیش کر دی گئی تھی نیشنل کانفرنس کی جنرل کونسل اور ورکنگ کمیٹی نے کانفرنس پارٹی کے اقدام کی تصدیق کر دی اور تجویز کیا ہے کہ استعفیٰ پیش کر دیے جائیں"

یہ عبارت بتاتی ہے کہ جن ممبروں نے ۱۵ر اپریل کو استعفوں پر دستخط کیے تھے انھوں نے اس تاریخ کو یا اس کے قریب ترین تاریخ کو یہ استعفےٰ دانستہ پیش کرنے سے اجتناب کیا تھا اور اپنا فیصلہ تین مختلف اداروں یعنی نیشنل کانفرنس کی پارلیمنٹری سب کمیٹی ورکنگ کمیٹی اور جنرل کونسل کے فیصلے پر منحصر رکھا تھا۔ ان اداروں کے اجلاس واضح طور پر پے در پے مختلف اوقات پر منعقد ہوئے۔ ان اجلاسوں نے جب یہ فیصلہ کیا کہ استعفےٰ پیش کر دئے جائیں تو اس آخری فیصلہ کے بعد باستثنائے میاں احمد یار خاں باقی تمام استعفےٰ دہندگان کی نسبت یہ کہیں بھی معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے استعفےٰ پیش کرنے سے قبل کوئی ایسی بات کی ہو یا ان سے معلوم کیا گیا ہو، برخلاف اس کے ۲۳ر جون کے استعفوں کے ساتھ ایک نوٹ ہے جس میں احمد یار خاں بیان کرتے ہیں کہ ایک ممبر محمد خلیل کچلو کچہارٹی سے علیحدہ کیا گیا ہے باقی احمد یار خاں نے اتنا بھی نہیں لکھا کہ دوسرے دستخط کنندگان نے اس کو استعفےٰ پیش کرنے کا اختیار دیدیا ہے یا نہیں حالانکہ اگر ایسے اختیار دئے بھی ہوتے تو نہ جانے وہ قانوناً قابل تسلیم ہوتے بھی کہ نہیں۔ ان حالات میں مہاراجہ بہادر کی حکومت کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ جو استعفےٰ آنریبل وزیر اعظم کے پاس پہنچے ہیں وہ بجز میاں احمد یار خاں کے باقی دستخط کنندگان کے استعفےٰ مستعفی ہونے کا ایک آزمائشی معاہدہ تھا اور مزید ہدایت کے تابع تھے۔ اس لیے ان کی نشستیں خالی ہوگئیں، بنابریں میاں صاحب کے علاوہ باقی استعفیٰ شدہ اصحاب بدستور کشمیر اسمبلی کے ممبر ہیں۔ صوبہ کشمیر کے نو حلقہ ہائے انتخاب میں سے آٹھ کے لیے یہ امر موجب اطمینان ہوگا کہ استعفوں کی جو قانونی جانچ پڑتال کی گئی اس نے اتفاقاً اس حلقہ انتخاب کو اسمبلی کے آئین اجلاس میں نمائندگی سے محروم ہونے سے بچا لیا۔

عبارت بالا کے فقرہ ۲ میں بیان کردہ دلائل کے پیش نظر اس نشست کے لیے بھی ضمنی انتخاب نہیں ہوگا جو میاں احمد یار خاں کے استعفےٰ سے خالی ہوگئی ہے۔

دستخط آر۔ سی۔ کاک
چیف سیکرٹری حکومت۔ جموں وکشمیر

اس سرکلر کے اجراء سے حکومت نے نیشنل کانفرنس کی استعفےٰ کی کاروائی پر جو وار کیا اس سے نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈرشپ ششدر ہو کر رہ گئی۔ نیشنل کانفرنس کے اسمبلی میں پارٹی لیڈر کو ایک طرح سے شنٹ روٹ کیا گیا۔ نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کے لیے استعفےٰ کی یہ کاروائی بڑی مہنگی ثابت ہوئی جبکہ بعض ممبران جبری طور استعفےٰ حاصل کرنے پر نالاں تھے۔ حکومت نے نیشنل کانفرنس کی جو درگت بنادی اس سے عام اور خاص لوگوں میں یہ جماعت نکتہ چینی اور ہدف ملامت بن گئی۔

ریاست اور بیرون ریاست میں حکومت کے سرکلر نے آئینی اور قانونی بحث و مباحثہ کی صورت اختیار کر لی۔ قواعد انتخاب کے دفعہ ۲۸ زیر نوٹیفکیشن سی ایف ۱۵ مورخہ ۱۵ر اگست ۱۹۳۴ء کے حسب ذیل الفاظ کو خصوصی طور پر زیر بحث لایا گیا۔

"جب کبھی کسی ممبر کی نشست انتخاب کو خلاف قانون قرار دیا جائے یا کسی دوسرے طریقے سے خالی ہو جائے تو حضور مہاراجہ بہادر گورنمنٹ گزٹ میں اعلان شائع فرما کر متعلقہ حلقہ انتخاب کے ووٹروں کو خالی شدہ نشست کے لیے ایسی مدت کے اندر اندر پُر کرنے کی دعوت دیں گے جو نوٹیفکیشن میں مقرر کی گئی ہوگی۔"

نیشنل کانفرنس کی مجلس شوریٰ نے ۹ اور ۱۰ر اگست ۱۹۴۱ء کو ایک خصوصی میٹنگ میں یہ قرارداد اتفاق رائے سے پاس کی کہ مستعفی شدہ ممبران سے دوبارہ ایک ہی تاریخ کے دستخط شدہ استعفےٰ حاصل کیے جائیں۔

چنانچہ جب ان ممبران سے استعفےٰ طلب کیے گئے تو کسی نے بھی اس ہدایت پر عمل نہیں کیا اس کے برعکس غلام حسن خان اور ملک غلام حسن نے اس ہدایت کے خلاف سخت احتجاج کیا اور اس قسم کی کاروائی کو ڈکٹیٹرانہ کہا۔

اس طرح تنظیم میں کھلم کھلا بغاوت کا عنصر اُجاگر ہوا۔ نیشنل کانفرنس کی اس اندرونی بغاوت کے اخباروں کے ذریعے چرچے ہوئے تو کانگریس سامنے آگئی اور انہوں نے تنظیم میں انتشار دور کرنے کے لیے مشورے دینے شروع کیے۔

کانگریس کی ہدایت پر شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ کی خدمت میں ایک معافی نامہ[1]

---

[1] یہ معافی نامہ رام چند کاک، کی انگریز نژاد بیوی مارگریٹ کے پاس ہے جو رام چند کاک سے بیاہ کرنے سے پہلے یوراج ڈاکٹر کرن سنگھ کی گورنس تھی۔

پیش کیا جس کے تحت مستعفی شدہ ممبران اپنے اپنے حلقہ انتخاب کی اسمبلی میں باقاعدہ نمائندگی کریں گے۔ حلقہ اسلام آباد اور حلقہ امیرا کدل سے غلام حسن خاں اور ملک غلام حسن کے بجائے مرزا محمد افضل بیگ اور خواجہ غلام محمد صادق نامزد کیے گئے جو مولانا مسعودی کے ساتھ قومی مطالبہ کے دوران اسمبلی کی رکنیت سے چھ ماہ قید کی پاداش میں خارج ہو گئے تھے۔ اور ان پر پانچ سال تک بحیثیت امیدوار کھڑا ہونے کی پابندی لگ گئی تھی۔

ہر دو اصحاب پر پابندی اٹھائی گئی اس طرح حکومت کی مہربانی سے پارٹی سے باغی عناصر کو نکالنے کا موقع فراہم ہوا۔

نیشنل کانفرنس کی طرف سے حکومت کے ساتھ سازباز کرنے کا چرچا ہوا تو اخبارات نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"نیشنل کانفرنس نے اسمبلی کی بقیہ میعاد کے لیے اپنے ممبروں کو خالی نشستوں پر خدمات انجام دینے کا جو فرض سونپا ہے وہ ان مطالبات سے دستبرداری کے مترادف ہے جن کی بناء پر اسمبلی سے استعفے دیئے گئے تھے۔"

ان دلائل سے نیشنل کانفرنس کی گرتی ساکھ بحال نہ ہوئی، البتہ وقت نے خود بخود اس کا مرہم کر دیا۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز نے نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈرشپ کو ان کی پالیسی اور پروگرام پر نکتہ چینی کا طومار باندھا اور پیش بندی کے طور پر بزاز نے "کسان مزدور" کانفرنس میں شمولیت اختیار کر لی۔

"کسان مزدور" کانفرنس دیا لگام اسلام آباد میں عبدالسلام یتو کی صدارت میں بنائی گئی ایک الگ سیاسی جماعت تھی جو مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کے ناراض گروپ نے مل کر بنائی تھی۔ یہ کانفرنس برابر ۱۹۴۷ء تک قایم رہی۔

فروری ۱۹۴۱ء کے آخری ہفتہ میں اس کانفرنس کا پہلا اجلاس ہوا اور اجلاس کے بعد "کسان مزدور کانفرنس" کا ایک بہت بڑا جلوس نکلا اس کی قیادت صدر عبدالسلام یتو اور پنڈت پریم ناتھ بزاز کر رہے تھے۔ اسلام آباد چوک میں پنڈت پریم ناتھ بزاز نے نیشنل کانفرنس کے رہنما شیخ محمد عبداللہ کے خلاف تقریر کے دوران فرمایا۔

"میں راجہ ہری سنگھ کی حکومت کو اس لیے خراج تحسین ادا کرتا ہوں کیوں کہ ان کی حکومت میں ہم والئے ملک پر بھی حرف گیری کر سکتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر کبھی

شیخ عبداللہ کے ہاتھ میں اقتدار آئے گا تو وہ ان تمام لوگوں کو جو اُن سے اختلاف رائے رکھتے ہیں سانس لینا بھی دوبھر بنائے گا۔ شیخ عبداللہ فرعون مزاج ہے اور اس کی جماعت فاشسٹ ہے۔"

شیخ عبداللہ کے تئیں ایسے ریمارکس پر عوام پریم ناتھ بزاز سے ناراض ہو گئے اور ان کی ایسی درگت بنائی کہ وہ جلسہ گاہ سے بھاگ گئے لیکن شیخ عبداللہ کے بارے میں جو وہ پیش گوئی کر گئے وقت نے اسے صحیح ثابت کر دیا۔



جناب عبدالسلام یتو — پریم ناتھ بزاز

پریم ناتھ بزاز نے شیخ عبداللہ کی تاناشاہی اور ان کے ڈکٹیٹرانہ طرز عمل کے خلاف اخبار "ہمدرد" میں ایک مہم چلائی جس کے بدلے میں شیخ صاحب نے انہیں جان سے ختم کرنے کی ٹھان لی۔ "کسان مزدور کانفرنس" کی طرز پر چوہدری حمید اللہ جو مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل ہونے کے بعد الگ ہو گئے تھے۔ انہوں نے صوبہ جموں کے تمام ناراض مسلم کانفرنس کے ممبران اور صوبہ کشمیر کے چند لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر "زمیندار گروپ" کے نام سے ایک الگ پارٹی تشکیل دی۔ اس پارٹی نے کئی اجلاسوں میں نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈرشپ پر سنگین نوعیت کے الزامات عائد کیے۔ ایک سب سے بڑا الزام یہ لگایا گیا کہ شیخ عبداللہ نے مسلم کانفرنس جیسی تنظیم کو پاش پاش کرنے کے لیے کانگریس سے معقول معاوضہ وصول کر لیا جموں کا "زمیندار گروپ" چند اجلاسوں کے بعد اگست ۱۹۴۱ء میں چوہدری غلام عباس خان کی ہدایت پر مسلم کانفرنس میں مدغم ہو گیا۔

۲۴ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو مہاراجہ ہری سنگھ مشرق وسطیٰ کے ممالک کا دورہ کر کے واپس سرینگر پہنچے ہوائی اڈے سے شاہی محل تک جگہ جگہ لوگوں نے ان کے اعزاز میں استقبالی محرابیں بنائیں، عوام کی طرف سے ان کا پُرتپاک استقبال کیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ

نے رائے بہادر رام چند کاک کو چیف سیکرٹری کے عہدے سے ترقی دے کر وزیر حضوری (منسٹر ان ویٹنگ) مقرر کیا جس کانیشنل کانفرنس نے سواگت کیا اور ایک بیان جاری کیا۔

"اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ غیر ریاستی اور بوڑھے منسٹروں کے بجائے ریاست جموں وکشمیر کے کسی نوجوان فرزند کا اعلیٰ عہدہ حاصل کرنا ریاستوں کی حق تلفی کے انسداد کے مترادف ہے اور اس لحاظ سے رام چند کاک جو بہر صورت کشمیر



رام چند کاک

کے فرزندوں میں سے ہے اس عہدے پر فائز ہونے میں ہماری مبارک بادی کے مستحق ہیں"

رام چند کاک وزیر بے قلمدان بننے پر مسلم کانفرنس نے جو بیان جاری کیا اس میں اس حقیقت کو دہرایا کہ ہماری ریاست نوے فیصد مسلم آبادی پر مشتمل ہے۔ مسٹر کاک اپنی ملازمت انسپکٹر اور پھر انسپکٹر جنرل کسٹم وایکسائز سے شروع کر کے چیف سیکرٹری جیسے عہدے پر فائز ہونے کے دوران مسلمانوں کے اعتماد کو حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے اور اب جبکہ وہ قلمدان وزارت سنبھال رہا ہے۔ اُسے اپنے افعال واخلاق، حرکات وسکنات سے اسلامیانِ ریاست کو نہ صرف اپنی انصاف پسندی اور غیر متعصب ذہن کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ بلکہ یہ ثبوت بھی پہنچانا ہے کہ وہ بحیثیت کشمیری، کشمیری عوام کے پسماندہ طبقوں کے مسائل کا حل ڈھونڈ کر انسان دوستی کا ثبوت دے گا۔

رام چند کاک کی تقرری پر نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے متضاد بیانات کا کئی دن تک چرچا رہا۔ دونوں پارٹیوں کے بیانات کے مبصرین نے اپنے اپنے رنگ میں تبصرے کیے۔ نیشنل کانفرنس کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی جانے لگی کہ یہ جماعت حکومت اور حکمرانوں کی نکتہ چینی میں بڑی احتیاط برت رہی ہے۔

جن جھروکوں سے تمنا تھی کہ گُل برسیں گے
اُن سے برسے تو چمکتے ہوئے خنجر برسے

نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے درمیان ٹکراؤ کا دوسرا دور

مارچ ۱۹۴۲ء کے تیسرے ہفتے میں سر اسٹیفورڈ کرپس (ممبر لارڈ پریوی کونسل) برطانوی جنگی کابینہ کا مرتب کردہ مسودہ لے کر ہندوستان آیا۔ یہاں انہوں نے وائسرائے ہند کی وساطت سے آل انڈیا ہندو مہاسبھا، اکالی پارٹی، لبرل فیڈریشن، نان پارٹی کانفرنس، چیمبر آف پرنسس مسلم لیگ اور کانگریس کے رہنماؤں کے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔ کرپس کے مرتب کردہ مسودہ پر قائد اعظم محمد علی جناح نے اختلاف کیا۔ ۳۰ مارچ کو یہ مسودہ معلومات عامہ کے لیے مشتہر کیا گیا۔

کرپس کا مشن اپریل ۱۹۴۲ء تک ہندوستان کی سیاسی سرگرمیوں کا منبع بنا رہا۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے سرکردہ لیڈروں سے کئی طویل ملاقاتوں اور بحث وتمحیص کے بعد کرپس نے جو نیا فارمولہ پیش کیا۔ وہ تقسیم ہند سے بالکل مختلف تھا جس کے تحت ہندوستان کی وفاقی حیثیت برقرار رہتی تھی۔ یہ مطالبہ قائداعظم نے منظور کیا تاکہ برصغیر دو ٹکڑے ہونے سے بچ جائے لیکن بھارتی لیڈروں نے مسٹر کرپس کا یہ فارمولہ نامنظور کیا۔ انہوں نے ہندوستان چھوڑ دو پر زور دیا۔ آزاد ہند میں ریاستوں کے شامل ہونے کے تجدید عہد کے طور پر یہ دن کشمیر میں جشن کے طور پر منایا گیا۔



محمد علی جناح　　پنڈت جواہر لال نہرو

اس روز سرینگر کے تمام وارڈوں سے جلوس نکل کر شاہی مسجد میں جمع ہو گئے۔ یہاں سے ایک عظیم الشان جلوس کی صورت میں روانہ ہو کر حضوری باغ میں جلسہ اختتام پذیر ہو گیا۔ یہ جلسہ بھارت کے ساتھ ریاست کے الحاق پر مہر تصدیق ثبت کر گیا اس طرح الحاق کے بارے میں جو پہلے ہی خفیہ عہد و پیماں کیا گیا تھا۔ یا اس بارے میں سودا بازی کی گئی تھی۔ منظر عام پر آ گئی، حضوری باغ میں دوران تقریر شیخ عبداللہ نے کانگریس کے ساتھ اپنی دائمی وابستگی کا برملا اظہار کیا۔

نیشنل کانفرنس کے اس جشن اور کانگریس کے ساتھ اپنی وابستگی کے اعلان سے مسلم کانفرنس کے رہنما بیمع پا ہو گئے۔ انہوں نے نیشنل کانفرنس کے لیڈروں پر تحریک کے ساتھ غداری کرنے قوم کو بیچنے اور کانگریس کا کٹھ پتلی بننے کا الزام لگایا۔ اس الزام کے جواب میں شیخ صاحب نے مجاہد منزل میں تقریر کے دوران لوگوں سے کہا۔ مولوی یوسف شاہ اور چوہدری عباس کو وعظ کے سوا سیاسی گفتگو سے روکنا چاہیے اگر وہ نہ رکیں تو انہیں میری اجازت سے دریا میں پھینکنا چاہیے۔ عباس خاں کو میری طرف سے کہنا کہ وہ جموں واپس چلے جائیں ورنہ ان کی خیر نہیں۔ شیخ عبداللہ کی اس دھمکی نے مسلم کانفرنس کے رہنماؤں کو سخت مشتعل کر دیا۔ مولوی یوسف شاہ نے اپنے حامیوں کو کہہ دیا اگر نیشنل والے ہمارے ساتھ زبردستی کریں تو تمہارے بھی ہاتھ ہیں۔ تم ان سے لوہا لے سکتے ہو۔

چوہدری عباس خاں نے لوگوں کو شیخ عبداللہ کی ریشہ دوانیوں سے خبردار کیا۔ انہوں نے اس سازش کی تفصیل بتائی جو سازش کانگریس اور مقامی غیر مسلم لیڈروں نے مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ کرنے کے سلسلے میں کی اور اس کے لیے شیخ عبداللہ کو قیمت دے کر خرید لیا۔



مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کی اس لڑائی کا فائدہ اٹھانے کے لیے کانگریس پیش پیش رہی۔

اپریل ۱۹۴۲ء کے اختتام پر

شیخ عبداللہ، مولانا مسعودی اور بخشی غلام محمد کو دہلی طلب کیا گیا۔ یہاں انہیں نیشنل کانفرنس میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو شامل کرنے کے لیے کہا گیا۔ ان سے یہ بھی کہا گیا کہ صاحب اثر اشخاص کو نیشنل کانفرنس میں شامل کرنے کے لیے اگر رقومات کی بھی ضرورت ہو تو یہ رقومات پارٹی مہیا کر سکتی ہے۔ کچھ بھی ہو مسلم کانفرنس کو پھر پنپنے کا موقعہ نہیں ملنا چاہیے۔

کانگریس کو اپنے ذرائع سے پتہ چل گیا تھا کشمیر میں مسلم کانفرنس کو بڑے پیمانے پر وسعت دی جا رہی ہے۔ اور اس کے علاوہ شیخ عبداللہ اور ان کے قریبی ساتھیوں کو الگ تھلگ کیا جا رہا ہے۔ کانگریس کے رہنماؤں نے اس بات پر تشویش ظاہر کر کے نہ صرف اس بارے میں نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کو خبردار رہنے کو کہا بلکہ نیشنل کانفرنس کو وسعت دینے کے اقدام اٹھانے پر زور دیا گیا تاکہ بوقت ضرورت یہ کانگریس کے کام آ سکیں۔

دہلی سے ان لیڈروں کی واپسی کے بعد شعلہ بیان تقریروں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کے ساتھ وابستہ مسلمانوں کے دو طبقے آپس میں پھر گتھم گتھا ہو گئے۔ جگہ جگہ لڑائیاں ہوئیں۔ مکانوں پر پتھراؤ ہوا، دوکانیں لوٹی گئیں، نصف شہر میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ مسلم کانفرنس کے پرواقعی کاٹے جانے لگے۔

۱۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو عید کے موقعہ پر شیخ عبداللہ نے مولوی غلام نبی ہمدانی کو اپنے ساتھ عیدگاہ لیا ان کے ساتھ اور لوگوں کے علاوہ ڈرائیوروں، قصائیوں اور تانگہ بانوں کی کئی گاڑیاں بھی تھیں۔ جب انہوں نے عیدگاہ میں مولوی یوسف شاہ کو عید نماز پڑھانے سے روکا تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ شیخ عبداللہ نے بلوائیوں سے کہا۔ آج ہم یوسف شاہی مسلمانوں کو ختم کر کے رکھ دیں گے۔ اس موقعہ پر نواب خسرو جنگ اور عبدالرحمان آفندی نے دونوں مسلم رہنماؤں کو عیدگاہ میں اسلامی فرائض انجام دینے کے بجائے دنگا فساد کرانے پر سخت ملامت کی لیکن لڑنے والے لڑ ہی پڑے البتہ جس پیمانے پر لڑائی ہونی تھی۔ اس پیمانے پر نہیں ہو سکی پتھراؤ سے دونوں طرف کے لوگ کافی تعداد میں زخمی ہو گئے۔ عید کی تقریب کے بعد نیشنل کانفرنس والوں نے ڈرائیوروں، قصائیوں اور تانگہ بانوں کے بل بوتے پر مسلم کانفرنس کے ساتھ مسلم لیگیوں پر دھاوا بول دیا۔ ان ڈرائیوروں اور قصائیوں نے مسلم کانفرنس کے حمائیتوں کو زدوکوب کیا۔

عیدگاہ کے معرکہ میں مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا کر اور ان کا خون بہا کر شیخ عبداللہ

نے اپنے سورماؤں کی ہمت افزائی کرتے ہوئے مولوی یوسف شاہ کو خود غرض فتنہ پرور اور کینہ پرور کہا۔ جس نے کبھی مزائیت کی آڑ میں کبھی داڑھی کا فسانہ چھیڑ کر اور کبھی رفع الدین کا فتنہ کھڑا کر کے اپنی جماعت کو فساد پر آمادہ کیا اور انہیں اکسایا۔ انہوں نے مزید کہا۔

مولوی یوسف شاہ نے چھ سو روپے واپس کر کے اس سے زائد رقم کسی دوسری طاقت سے حاصل کر کے حکومت کشمیر کو چیلنج کیا ہے اور اپنے مجنونانہ بیانات سے وزیر اعظم کو دعوت جنگ دی ہے۔

مولوی یوسف شاہ نے ان تمام مسلمانوں پر کفر کا الزام لگایا ہے جو اس کے پیرو نہیں نیشنل کانفرنس کا ساتھ دینے والوں کو کافر کہہ کر ان مٹھی بھر جاہلوں کی ٹولی کو رگڑا کہ یہ کافروں سے ملے ہوئے ہیں۔ ان کے خلاف جہاد فرض ہے۔ یہ ہل والے جھنڈے کی آڑ میں بیل کی پوجا کرتے ہیں۔ یوسف شاہ نے نیشنل کو فارسی اور کشمیری کے دو لفظوں "نیش" یعنی بچھو "نل" یعنی ٹانگ کی ہڈی سے تعبیر کر کے کہنا شروع کیا کہ جس طرح بچھو کی خاصیت ڈنک مار کر جاندار کو ہلاک کرنا ہے اسی طرح نیشنل کانفرنس مسلمانوں کی قوت ایمانی کو سلب کر کے انہیں لادین بنانے پر تلی ہوئی ہے۔

شیخ عبداللہ نے اپنے حامیوں کو ہدایت دی کہ ان اشتعال انگیز سرگرمیوں سے محفوظ رہنے کے لیے اپنی حفاظت خود کریں، یوسف شاہ جس طرح شریف لوگوں کی پگڑیاں اچھلوا رہا ہے اور پرامن شہریوں پر سنگباری کروا رہا ہے اس کا تقاضا ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے۔ قبل اس کے کہ ہم کوئی کاروائی کریں ہم انتظار کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں حکومت اپنے فرائض کو کیسے نبھاتی ہے اور مولوی یوسف شاہ کی طرف سے ہمارے خلاف جہاد کی تلقین پر کیا اقدام کرتی ہے۔

کہنے کو تو شیخ صاحب نے انتظار کا درس دے دیا۔ لیکن نیشنل کانفرنسی پہلے ہی لاٹھیاں وغیرہ سنبھالے مورچوں پر لڑ رہے تھے۔ مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے جھنڈے، ماٹوز، سائن بورڈ اور پوسٹر وغیرہ اکھاڑ پھینک رہے تھے۔ مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے دفاتر پر ہلہ بول کر اینٹ سے اینٹ بجاتے جا رہے تھے۔

مسلم کانفرنس کا نام و نشان مٹانے کی کاروائی میں نیشنل فوج نے جوش جنون میں خواجہ بازار چوک کے ایک مکان سے سبز رنگ کا جھنڈا اتارا جس پر خوبصورت خطوں میں کلمہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ طلاء سے منقش کیا ہوا یہ کلمہ شہادت کا پرچم اتار کر نہ صرف ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا بلکہ اس کی دھجیاں گندی نالی میں پھینک کر ایسا شرمناک اخلاق سوز مظاہرہ کیا جس سے مسلمانانِ شہر کی گردن شرم و ندامت سے جھک گئی۔ کئی اطراف سے جب اس قسم کی بدحرکت کی باز پرس کی گئی تو ایسا بھونڈا اور بے ہودہ جواب دیا گیا کہ ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ کہا یہ گیا کہ یہ مسلم کانفرنسی کلمہ شہادت تھا ہمارا نہیں اسی لیے اسے توڑ پھوڑ دیا گیا۔

یوسف شاہی مسلمان کے بعد مسلم کانفرنسی مسلمان نیشنل کانفرنسیوں کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اس لیے ان دونوں کی درگت بنائی گئی۔

فتنہ فساد میں مولوی یوسف شاہ کچھ کم نہ تھے۔ البتہ ان کی پارٹی نیشنل پارٹی کے سامنے ہیچ تھی اس کی وجہ سے وہی زیادہ مار کھاتی رہی۔

مار کھانے کے بعد وہ چوری چھپے اور گھات لگا کر حملہ کرتے تھے۔ ۳ اکتوبر کو جامع مسجد کے پاس غلام قادر وانی ایک نیشنل کانفرنسی مسلم کانفرنسیوں کے ہاتھوں زخمی ہوا انہیں چارپائی پر لٹا کر ایک جلوس کی صورت میں مجاہد منزل پہنچایا گیا۔ ایک چشم دید گواہ نے جیب بتایا قادر وانی کی مارپیٹ میں علی داریل کا ہاتھ ہے تو آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک پلٹن علی داریل کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

ڈب تل آ کر نیشنل فوج نے ان کا گھر محاصرہ میں لے لیا۔ اس گھر پر پتھراؤ کر کے مسلم اسٹوڈنٹس یونین کا سائن بورڈ اتارنے کو کہا گیا۔ جب ڈرائیوروں اور قصائیوں کے للکارنے پر بھی بورڈ نہیں اتارا گیا اور پتھراؤ کے جواب میں گھر والوں نے کھڑکی سے مٹی کے برتن بلوائیوں پر پھینکنے شروع کیے تو نیشنل فوج نے دروازہ توڑ کر ان پر ایسا دھاوا بول دیا کہ اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجنے لگی، علی داریل کی جوان بہن سارہ کھڑکی سے کودنے کے لیے مجبور ہو گئی جب مسلم اسٹوڈنٹس یونین کا سائن بورڈ اتار کر سڑک پر توڑ پھوڑ دیا گیا تو نیشنل فوج نے اچھلتے کودتے فتح کا جشن منایا۔ علی داریل کو مارتے پیٹتے گھسیٹتے اپنے ساتھ لے گئے اور تب تک اسے چھوڑا نہیں گیا جب تک اس نے مسلم اسٹوڈنٹس لیگ جس کے وہ سربراہ تھے کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں سمیت نیشنل کانفرنس میں شامل نہ ہوئے۔

قادروانی کی آڑ میں لڑائی دُور دُور تک پھیل گئی۔ غنڈہ گردی کا شرمناک اور بدترین مظاہرہ کیا گیا، عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ کئی کنواریوں کی عزت لوٹی گئی۔ ملک آنگن، مہاراج گنج، زینہ کدل، بدھ گیر۔ نوا کدل، راجوری کدل، گرگڑی محلہ، وازہ پورہ، نوہٹہ، خانیار، گندر پورہ اور دوسرے کئی محلے جب اس فساد کی زد میں آگئے۔ تو حکومت نے شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کرکے دونوں پارٹیوں کے کئی افراد گرفتار کر لیے۔ طرفین کے زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا گیا۔

اِن فسادات میں نیشنل فوج مسلم کانفرنسیوں پر حاوی ہو گئی تو اس کمزوری کی آڑ میں مولوی یوسف شاہ پر حضرت بل کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

حضرت بل کا دروازہ بند کرنے سے ایک ڈیڑھ ماہ قبل شیخ محمد عبداللہ نے غلام محمد بانڈے اور نورالدین بانڈے کے لیے مرزائیوں سے معاوضہ جن کا نام وظیفہ رکھ دیا گیا۔ اِن کے نام ندوۃ العلمائے لکھنو سے بذریعہ مولوی عبدالقدوس جاری کروایا تھا تاکہ بوقت ضرورت بانڈے حضرات ان کے کام آسکیں۔

چوہدری غلام عباس خاں کے بیان کے مطابق۔

"مولوی یوسف شاہ کو حضرت بل سے دُور رکھنے کے لیے کانگریس کے اشارے پر گوپالاسوامی آئینگر نے شیخ عبداللہ کے ساتھ راہ و رسم بڑھائے اور متعصب وزیراعظم کی حیثیت سے مسلمانوں کی حیات ملی اور شیرازہ بندی پر شب خون مارے، مسلم کانفرنسیوں کے رہنماؤں پر ایسے ستم توڑ ڈالے گئے جن کا کوئی حساب نہیں۔

حضرت بل جو کشمیر کے مسلمانوں کے اجتماعات کا سب سے بڑا مرکز ہے صدیوں سے میر واعظ کے خاندان کی تحویل میں تھا اور میر واعظ خاندان سے اس مرکز کو چھڑانے کے لیے شیخ محمد عبداللہ نے آئینگر کی خدمات حاصل کرلیں۔ چنانچہ ایک وعظ کے دوران نیشنل کانفرنس کے ورکروں اور حمائیتیوں نے میر واعظ اور ان کی جماعت پر ایسا حملہ کیا کہ آئینگر نے مداخلت کرکے قانون اور آئین کے تمام قیود توڑ کر میر واعظ پر دوبارہ یہاں آنے کی ممانعت کرادی۔

آئینگر کے دور حکمرانی میں نیشنل کانفرنس کے بغیر اور کوئی پارٹی آسانی سے نہ جلسہ کرسکتی اور نہ کہیں تقریر کرسکتی، حکومت کی جانب سے نیشنل کانفرنس کا خوب ڈنڈورا

پیٹا جارہا تھا۔ مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے ساتھ برتاؤ کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا کہ ہری سنگھ زیادہ مسلم کش انسان تھا یا آئینگر یا ان دونوں سے بڑھ کر شیخ عبداللہ.....؛ بہت مشکل بات تھی۔"

۵ جنوری ۱۹۴۳ء کو عرس چاریار رضؓ کے سلسلے میں مولوی یوسف شاہ کو حضرت بل آنے سے روکنے اور وہاں آنے پر انھیں بے رنگ واپس کر دینے کے لیے نیشنل کانفرنس کے حامی لاریوں، ٹانگوں اور کشتیوں میں سوار ہو کر آثار شریف حضرت بل آئے نیشنل فوج کو دیکھ کر عبدالرحیم بانڈے نے فساد کے پیش نظر مولوی یوسف شاہ کے لیے حضرت بل آنا ممنوع قرار دیا۔ حضرت بل آستانہ پر قبضہ کے بعد شیخ عبداللہ نے اپنے حامیوں کے ہمراہ آستانہ پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ واقع خانیار کا رخ کیا۔ آستانہ عالیہ پر قبضہ کرنے کے لیے نیشنل کانفرنس کا جلوس جو مجاہد منزل سے نکل کر خانیار کی طرف جارہا تھا اس کے آگے آگے واتھور کے بھانڈ تھے۔ جو ڈولک اور شہنائی بجا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے تھے۔ نیشنل کانفرنس کے حامیوں کی ٹولی بندروں جیسی حرکات کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ نیشنل کانفرنس کے حامیوں کی اس حرکت ناز یبا کی سنجیدہ لوگوں نے سخت نوٹس لی۔

نیشنل کانفرنس کی اس حرکت ناز یبا کا توڑ کرنے کے لیے مسلم کانفرنس نے عید میلادالنبیؐ کے موقع پر ایک عظیم الشان جلوس کا انعقاد کیا۔ جلوس جامع مسجد سے نکلا اس کی قیادت سید میرک شاہ، مولوی نورالدین اور مولوی محمد امین کر رہے تھے۔ اس جلوس میں کافی تعداد میں شیعیوں نے بھی شرکت کی، کلاشپورہ میں اگرچہ اس جلوس پر پتھراؤ ہوا لیکن جلوس منتشر نہ ہوسکا۔

مسلم کانفرنس کے اس جلوس کے جواب میں ۲۴ مارچ کو نیشنل کانفرنس نے جلوس نکالنے کا فیصلہ کرلیا، تمام اطراف سے لوگ خانقاہ معلیٰ آکر جمع ہو گئے۔ یہاں گھوڑسواروں اور سائیکل سواروں کے پیچھے پیچھے بینڈ باجہ اور پھر پیدل چلنے والوں کا ایک جم غفیر تھا جو نعرے لگاتے ہوئے اپنی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کر رہا تھا۔

جلوس شہر کے کئی بازاروں میں گھوم پھر کر واپس خانقاہ معلیٰ آگیا۔

شیخ عبداللہ نے لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا۔

"جلوس جو آج نکالا گیا یہ عید میلادالنبیؐ کے سلسلے میں نہ تھا جیسا کہ تمھیں کہا گیا تھا۔

دراصل یہ مولوی یوسف شاہ کے مکر و فریب کا جواب تھا۔ یہ مسلم کانفرنس کی کمر توڑنے کے لیے تھا۔ مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں یہ کنجروں اور سرمایہ داروں کی جائے پناہ ہے۔"

۸ر اپریل ۱۹۴۳ء کو مسلم کانفرنس نے مسجد خیر الزماں کے احاطہ میں جلسہ رکھا، اسی روز پاس ہی نیشنل کانفرنس نے تقریر کرنے کا اسٹیج بنایا، مسلم کانفرنس کی طرف سے مولوی غلام نبی مسجد کے احاطے میں مسلم کانفرنس کا جھنڈا لہرانے کی تقریب منانے کا اعلان کر رہا تھا اُدھر نیشنل کانفرنس کی طرف سے جلسہ میں شریک ہونے کے لیے مسلمہ غلہ دار منادی کر رہا تھا۔ دونوں پارٹیوں کے پروپیگنڈا ایجنٹ ٹانگوں پر بیٹھ کر شہر میں گھوم رہے تھے۔ مسلم کانفرنس کے ایجنٹ اعلان کر رہے تھے۔ آج شاہی مسجد میں مسلم کانفرنس کا پرچم لہرایا جائے گا۔ لہٰذا تمام مسلمان اس تقریب میں شرکت کرنے تشریف لے آئیں۔ اس کے جواب میں نیشنل کانفرنس کے ڈنڈورچی اسی ٹانگے کے پیچھے پیچھے اپنا ٹانگہ دوڑا کر پکارتے جا رہے تھے۔

"یہاں مسلم کانفرنس کا کوئی پرچم گاڑا نہیں جائے گا۔ اگر اسے گاڑا گیا تو اسے توڑا جائے گا۔ مسلمان اس کارِ خیر میں شریک ہو جائیں۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا جونہی مسجد کے احاطہ میں مسلم کانفرنس کا پرچم لہرانے کی رسم ادا کی گئی اسی وقت لاری اڈے کے ڈرائیوروں اور قصائیوں کا ایک ہجوم جلسہ گاہ پر ٹوٹ پڑا، ایک زبردست کھلبلی مچ گئی، کئی لوگ زخمی ہو گئے۔

دیکھتے ہی دیکھتے شہر میں تناؤ پیدا ہو گیا۔

۱۳ر اگست کو مسلم کانفرنس کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا چوہدری غلام عباس خان کو مسلم کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔

نیشنل کانفرنس کی طرز پر مسلم کانفرنس نے اس جلسے کو منانے کی پوری تیاریاں کی تھیں۔ باہر سے سرکردہ اشخاص کی خاصی تعداد آئی ہوئی تھی نواب بہادر جنگ اُن کی بیگم مہمان خصوصی کے طور پر اس جلسے میں شرکت کے لیے آئی تھی لیکن گوپالاسوامی آئینگر نے دیگر مہمانوں کے ساتھ دونوں کو شامل جلسہ ہونے کی اجازت نہیں دی۔ وزیر اعظم نے جلسہ تین دنوں تک کرنے کے بجائے صرف ایک دن کی اجازت دی تھی لیکن پہلے ہی دن ان

کی بھرپور حمایت سے نیشنل کانفرنس کی فوج نے باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کے ساتھ مسلم کانفرنسیوں کو مار بھگایا اور تمام خیمے اکھاڑ دئے۔

اس بہیمانہ حرکت پر چوہدری غلام عباس خاں نے وزیر اعظم آئینگر کو ایک احتجاجی مراسلہ بھیجا اور محمد علی جناح کو بھی ڈوگرہ حکومت کی اس حرکت سے مطلع کیا مسلم کانفرسیوں کے خیمے اکھڑنے پر نیشنل کانفرنس نے جشن فتح منایا اور سڑکوں پر آکر وزیر اعظم آئینگر زندہ باد کے نعرے لگائے۔

اتفاق کی بات ہے گوپالاسوامی آئینگر نے جب سے وزیر اعظمی کا عہدہ سنبھالا تھا تب سے عوام کی طرف سے ان کے نام کے ساتھ صرف مردہ باد جڑا ہوا تھا پہلی بار جب انہیں زندہ باد سننے کو ملا تو وہ واقعی حیران ہو گئے اور شاید ان لوگوں کی عقل پر ماتم کرنے لگے جو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے ایسی ذلیل حرکت کر رہے تھے۔

نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ نے تہیہ کر لیا کہ مولوی یوسف شاہ کی قیادت کو کمزور کرنے کے لیے لازم ہے کہ اس کے حامیوں کا قافیہ اس حد تک تنگ کیا جائے کہ وہ مجبوراً اس کا ساتھ چھوڑ دیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں میر واعظ پارٹی کے ہراول دستہ یعنی آشپازوں کی ہمدردیاں منقطع کرنے انھیں احساس کمتری کا شکار بنانے، ہراساں کرنے اور اقتصادی بحران سے انہیں دوچار کرانے کے لیے انہوں نے اپنے حمائتیوں کے نام ہدایت جاری کی جس میں یہ واضح کیا گیا کہ شادی، غمی یا دوسری تقریبات میں کسی بھی آشپاز کو اُس وقت تک اپنے اور اپنے عزیز و اقارب کے ہاں کام کرنے نہ دیا جائے جب تک کہ وہ نیشنل کانفرنس کے صدر دفتر سے جاری کردہ وفاداری کی تصدیق شدہ سند حاصل نہ کرے۔ اور اُس جگہ جہاں وہ وازہ وان پکا رہا ہو نمایاں جگہ پر بطور سند لٹکا کر اس کی نمائش نہ کرے، حکم عدولی کے خلاف حفاظت خودی کے نام پر کارروائی کی جائے۔ جن میں ان کا سارا اثاثہ (تانبے کے وہ برتن جن میں وازہ وان پکایا جاتا ہے۔) چھیننے اور مار کٹائی وغیرہ شامل ہے۔ اس عمل نے آشپازوں کو کئی تشدد آمیز واقعات سے دوچار کیا جس سے اُن کے حوصلے پست ہوئے ان کی اقتصادی حالت کمزور ہو گئی ان واقعات کی روک تھام کے لیے انہوں نے حکومت سے رجوع کیا لیکن وہاں آئینگر نیشنل کانفرنس کا طرفدار تھا۔ اس لیے انہیں مایوسی کے

سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا، آخر لاچار ہو کر وہ مجاہد منزل سے عطیہ دے کر وفاداری کی سند حاصل کرنے لگے۔ ان سندناموں پر سائل کا فوٹو مولانا محمد سعید مسعودی کے تصدیقی دستخطوں سے چسپاں ہوتا تھا اور نیچے حسب ذیل عبارت درج ہوتی تھی۔

معززین محلہ کے یقین دلانے پر اس امر کی تصدیق کی جاتی ہے کہ

مسمی ولد کا چال چلن اچھا ہے

اور اس نے لوٹ مار اور دنگہ فساد میں حصہ نہیں لیا ہے اس لیے خدمات لینے میں کوئی خطرہ نہیں۔

بقلم خود محمد سعید مسعودی



سیکرٹری مجلس انتظامیہ اوقاف اسلامیہ

نیشنل کانفرنسی اخبارات میں آشپازوں کے علاوہ اُن لوگوں کے ناموں کی بھی خوب تشہیر کی جانے لگی جنہوں نے دہشت گردی، غنڈہ گردی اور مار کٹائی سے خوف زدہ ہو کر اپنے جان و مال کی امان کی خاطر مسلم کانفرنس سے قطع تعلق کا اعلان کیا۔

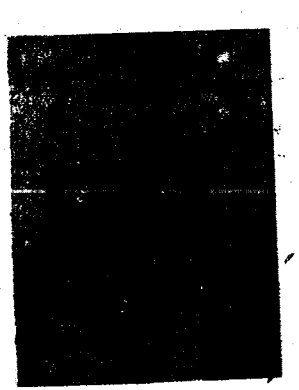
مسلم کانفرنس کے جنم سے لے کر ۱۹۴۷ء تک جب ہم سیاسی عینک لگا کر گرد و پیش کو دیکھتے ہیں تو صاف طور پر دکھائی دیتا ہے شیخ عبداللہ نے مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس پر کانگریس کو ترجیح دی، کانگریس کی دوستی کے لیے انہوں نے مسلم لیگ کے ساتھ دشمنی کی، نیشنل کانفرنس کی فوج جس میں ڈرائیور، قصائی، ٹانگہ بان اور پھیری والے شامل تھے ان کے ہاتھوں مسلم کانفرنس کی جو درگت بنائی گئی اور بار بار اُن کے اجتماع منتشر کر کے اس تنظیم کے پرچم کے ساتھ خدا واسطے کا بیر رکھا گیا۔ اس پر غور کر کے دیکھا جائے تو بھارت کے اندر کٹر ہندو فرقہ پرستوں نے بھی مسلم لیگیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا۔ ریاست کے اندر نیشنل کانفرنس کے والنٹیر مسلم کانفرنسیوں کے ساتھ جو برتاؤ کر رہے

تھے اس کی مثال صرف چنگیزی دور میں ملتی ہے۔

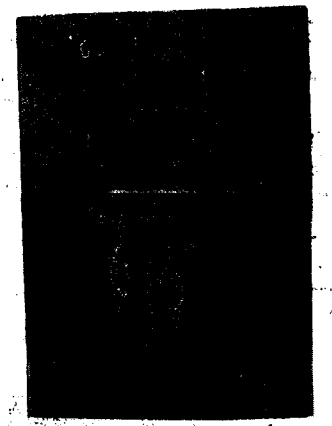
ٹھیک ہے شیخ صاحب کے لیے کانگریس نجات کا واحد راستہ تھا۔ کانگریس میں اُن کے خوابوں کی تعبیر مضمر تھی، کانگریس کی تحویل میں انہیں اپنا اور اپنی قوم کا مستقبل روشن دکھائی دے رہا تھا۔ اپنے اس اعتقاد پر وہ ایمان کی حد تک بھروسہ کیے ہوئے تھے۔ لیکن اپنے خیالات اور نظریات کو وہ دوسروں پر جس طرح ٹھونس رہا تھا ان کا یہ طریقہ کسی بھی صورت میں مناسب نہ تھا۔ وادی بھر میں مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کو دبانے اور اُن کے اُڑنے کے پَر کترنے میں قصائیوں اور ڈرائیوروں نے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔



شیخ صاحب، پنڈت نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد



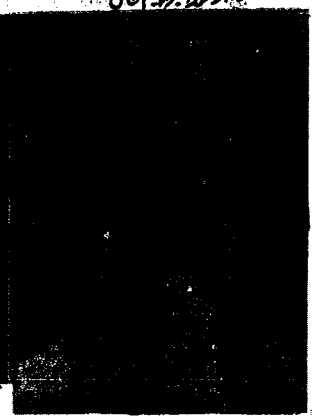
کے ایچ خورشید



سردار محمد ابراہیم خان

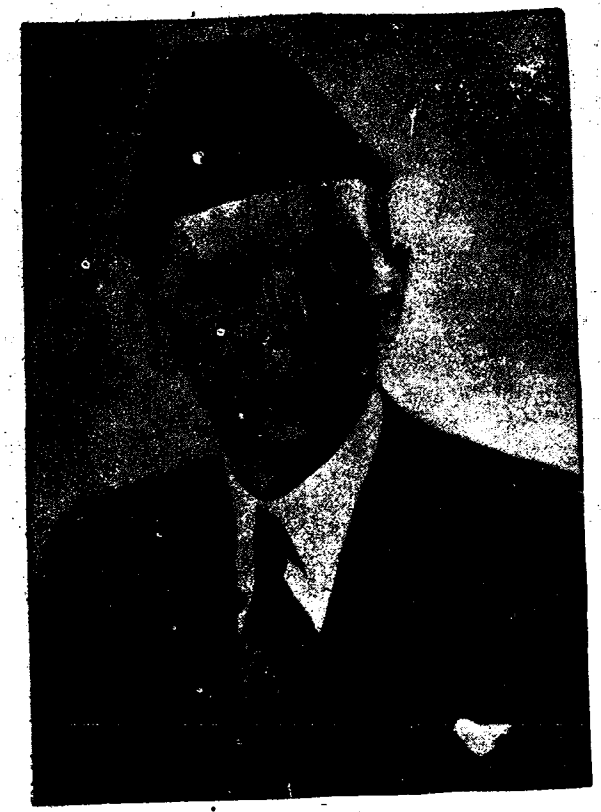


سردار سکندر حیات خان



سردار محمد عبدالقیوم خان

تحریک حریت کے جانباز سپاہی
ریاست جموں وکشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرانے کے دعویدار



قائداعظم قائداعظم محمد علی جناح



(۱) قائداعظم محمد علی جناح اور ان کی بہن فاطمہ جناح (۲) محمد علی جناح پاکستان کا لائحہ عمل مرتب کرکے اسے بغور دیکھ رہے ہیں۔

قسمت کی گردش نے مجھ سے چھین لی میری زندہ دلی
ورنہ میرے قریب آتے تھے اپنا دل بہلانے لوگ

قائداعظم محمد علی جناح کا کشمیر میں استقبال اور مظاہرہ

کشمیر میں پورے دس سال کے بعد قائداعظم محمد علی جناح ۱۹۳۶ء میں جب آئے یہ ان کا سیاسی نہیں بلکہ سیاحتی دورہ تھا۔ کشمیر میں قیام کے دوران انہوں نے یہاں "مہر علی بنام حنیفہ بیگم" عنوان کے ایک مشہور مقدمہ میں وکالت کی جس میں مرزا فضل بیگ نے بحیثیت جونیئر وکیل کے ان کے ساتھ کام کیا، یہاں انہیں مسلم کانفرنس کی طرف سے عید میلاد النبی صلعم کی تقریب سعید پر کشمیر کے مسلمانوں سے خطاب کرنے کی دعوت دی گئی۔

۳ر جون ۱۹۳۶ء کو جب آپ پتھر مسجد تشریف لائے تو یہاں اُن کا پرتپاک استقبال کیا گیا مسلم کانفرنس کی طرف سے چوہدری غلام عباس خاں نے معزز مہمانوں کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔

"مسلمانوں کے محبوب رہنما! وادی کشمیر کے مسلمان آج بجا طور پر فخر کر رہے ہیں کہ آزادی وطن کا مشعل بردار اور مسلمانوں کا سچا خیر خواہ ہمیں ملاقات کا شرف بخشنے آیا ہے۔ یہ مبارک دن ہماری تاریخ میں یاد رہے گا کہ اسلام کا ایک سچا فرزند اور اپنے ہم مذہبوں کا سچا خیر خواہ اپنے قیمتی لمحات سے فرصت نکال کر یہاں آیا ہے۔

آزادی وطن کے علمبردار! ہمیں علم ہے کہ سیاسی اختلافات نے ہمیں اس وقت ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے۔ مگر ہم نے ہمیشہ آپ کی مساعی جمیلہ

کو جو آپ نے اسمبلی میں اور اس سے باہر کی ہیں بنظرِ استحسان دیکھا، نیز ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کبھی باطل سے نہیں دبے اور مخالفوں سے نہیں ڈرے اور ہمیشہ اپنے مقصدِ زندگی کے حصول میں کوشاں رہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جب مسلمانوں کی موجودہ جنگِ آزادی کی تاریخ لکھی جائے گی تو ہمارا سر ہمیشہ آپ ایسے فرزندانِ اسلام کے کارناموں سے فخر و افتخار سے اونچا رہے گا۔ آپ کے ایثار اور قربانیوں نے مشعلِ راہ بن کر ہماری رہنمائی کی ہے۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب کہ مسلمان مدبرین کے تدبر کا امتحان ہوگا اور جب ذرا سی غلطی بہت بڑے ملی نقصان کی باعث ہوگی؛ لیکن ہم اس آنے والے وقت سے ہراساں نہیں بلکہ ہمیں یقین ہے کہ آپ اپنی خداداد قابلیت اور تدبر سے ملت کی کشتی کی صحیح ناخدائی کر سکیں گے۔

نوجوانوں کے رہنما! مسلم نوجوان ہمیشہ آپ کے سپاس گزار رہیں گے کیونکہ انہیں آپ نے قومیت کے مسلے عملی طور پر نبھائے ہیں اور انہیں اپنی موجودہ پست حالات کا احساس کرا دیا ہے۔ مسلم نوجوانوں میں بیداری کا احساس یقیناً آپ کی اَن تھک کوششوں سے پیدا ہوا ہے۔

اسلام کے سچے فرزند! ہم اس مختصر سپاسنامے میں آپ کی ملی و قومی خدمات شمار کرنے سے قاصر ہیں، لیکن اس کے باوجود ہمارے سر فرطِ عقیدت سے جھکے رہیں گے۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق، سنجیدہ مزاجی، اسلام کی محبت، آزادی کی تڑپ اور ہندو مسلم اتحاد کی خواہش نے ہمارے دل میں گھر کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت سے آپ کو اسلام اور ہندوستان کی خدمت کے لیے زندہ رکھے۔ آمین!

اس سپاسنامہ کے جواب میں قائداعظم نے تالیوں کے گونج میں فرمایا۔

"صدرِ محترم! چوہدری غلام عباس! ممبران کانفرنس و حاضرین۔

مجھے اس امر کا لطیف اور متشکرانہ احساس ہے کہ مسلمانانِ جموں و کشمیر کی طرف سے جن کے لیے میں نے کوئی خدمت انجام نہیں دی اس قدر شاندار الفاظ میں مجھے ایڈریس دیا گیا ہے۔ آپ نے الفاظ کی حدود سے بڑھ کر میری تعریف کی ہے۔ درحقیقت آپ نے میرے متعلق جو کچھ کہا ہے میں اس کے نصف کا بھی حقدار

نہیں میں اس جذبۂ محبت اور تکریم کے لیے جو آپ نے میرے تئیں ظاہر کیا ہے اور اس زبان کی جو آپ نے اپنے ایڈریس میں استعمال کی ہے قدر کرتا ہوں میں یہاں بطور ایک سیاح کے آیا ہوں آپ کی خوشنما اور دلفریب وادی میں جس سے مجھے ازحد دلچسپی ہے۔ میں ایک طائرِ کوہ نورد کی حیثیت سے آیا ہوں یہ وادی پھولوں پھلوں دریاؤں اور پہاڑوں کی سرزمین اس قدر لاثانی ہے کہ کوئی اور قوم اور ملک اور کوئی دوسری جگہ اس کی ہمسری نہیں کر سکتی۔

معزز حاضرین! دس سال پیشتر میں یہاں آیا تھا اور آج مجھے یہ دیکھ کر حد سے زیادہ مسرت حاصل ہوئی ہے کہ اس عرصہ میں جموں و کشمیر کے شہریوں میں بیداری پیدا ہوئی ہے قدرتی طور پر وہ شخص جو ہمیشہ قوم کی آزادی کے لیے کمربستہ رہا ہو اور ہمیشہ رہے گا آپ کی اس تحریک کو بنظرِ استحسان دیکھے گا اور ہمیشہ عوام کے اس حق کی حمایت کرے گا۔ وہ اپنے معاملات پر خود نگرانی کریں میں آپ کی تحریک سے دلی ہمدردی اور احترام ظاہر کرتا ہوں۔

آپ نے اپنے ایڈریس میں بیان کیا ہے کہ میں ہمیشہ آزادی کے لیے کمربستہ رہا ہوں میں آپ پر یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آزادی کے لیے آپ کی جدوجہد اور برٹش انڈیا میں میرے معاملات کے ساتھ اپنی ہمدردی اور نیک خواہشات ظاہر کریں۔ یقیناً آپ ایسا کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی ہے جو اپنے معاملات پر خود نگرانی کرنے کا حق حاصل کرنے کے لیے لڑ رہے ہیں۔

آپ نے اپنے ایڈریس میں مجھے ہندو مسلم اتحاد کا دلدادہ ظاہر کیا ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ ایجاد میرے لیے صرف لفظی اور مبہم بیان تک محدود نہیں۔ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے کہتا ہوں کہ اس کے لیے میں نے سال ہا سال کام کیا ہے اور کرتا رہوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ بغیر اس اتحاد کے برطانوی ہندوستان کے باشندوں کو ہندوستان پر حکومت کرنے کی کوئی امید نہیں۔ میں آپ کے یہاں کے مسائل سے واقف نہیں اس لیے میں کسی رائے کا اظہار نہیں کروں گا لیکن ایک بات میں آپ سے اور آپ

کے رہنماؤں سے ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اقلیتوں یعنی ریاست کے ہندوؤں کو ہمیشہ یہ احساس دلائیں کہ وہ ریاست میں انصاف اور مساوات حاصل کریں گے۔ یہ احساس دلانا اکثریت کا فرض ہے۔ میں نے یہ اصول برطانوی ہندوستان میں برتا لیکن میں چند ایک لیڈروں کو یہ یقین دلانے میں کامیاب نہ ہو سکا، جب تک اس اصول کو نہ اپنایا جائے آزادی کی کوئی امید نہیں۔ میں کہوں گا کہ اقلیتوں کو یہ احساس دلائے بغیر کہ اکثریت کی طرف سے مساوات کا سلوک کیا جائے گا آپ کی سیاسیات کے راستے سے کانٹے دور نہ ہوں گے۔ میں ایک بار پھر آپ کا، کانفرنس کا اور ان اصحاب کا جو یہاں موجود ہیں شکریہ ادا کرتا ہوں۔" (کشمکش)

قائداعظم کی اس تقریر میں انہوں نے اکثریت پر اقلیت کے لیے ان کے فرائض واضح کر دیے۔ اس سے یہاں کی اقلیت یعنی غیر مسلم ان کے بارے میں صاف ہونے کے بجائے ناصاف ہی رہے۔ انہوں نے مسلم کانفرنس کی طرف سے ان کا استقبال اور ان کی تین خراج عقیدت ادا کرنے کی کاروائی پر اپنی سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔

پریم ناتھ بزاز نے شیخ عبداللہ کے ساتھ ملاقات کے دوران جب مسلم کانفرنس کی اس کاروائی پر اپنی ناراضگی ظاہر کی اور انہیں کانگریس کے رہنما پنڈت نہرو کے ساتھ ان کے کیے گئے وعدے یاد دلائے تو شیخ صاحب نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور اس غلطی کا کفارہ ادا کرنے کے لیے شیخ صاحب نے پریم ناتھ بزاز کا مشورہ طلب کیا۔

دونوں نے پنڈت جواہر لال نہرو کو ایک مشترکہ خط لکھ کر قائداعظم محمد علی جناح کے استقبال اور سیاسنامے کی پاداش میں کیے گئے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا۔

مسلم لیگ کے نامور پنجابی لیڈر نواب ممدوٹ، میاں ممتاز دولتانہ اور راجہ غضنفر علی خاں اکتوبر ۱۹۴۳ء میں سیر و تفریح کی غرض سے سرینگر تشریف لائے یہاں انہوں نے شیخ عبداللہ کے علاوہ مولانا مسعودی، بخشی غلام محمد اور خواجہ غلام محمد صادق کے ساتھ کئی خفیہ ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں میں شیخ عبداللہ کو قائداعظم کے ساتھ ملاقات کے لیے آمادہ کیا گیا۔ شیخ صاحب نے ملاقات کی راہ ہموار کرانے کی غرض



دائیں سے بائیں:- (۱) خواجہ غلام محمد صادق (۲) محمد سعید مسعودی (۳) شیخ محمد عبداللہ (۴) بخشی غلام محمد

سے مولانا مسعودی اور خواجہ غلام محمد صادق کو لاہور روانہ کیا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق نواب ممدوٹ لاہور سے ان کے ساتھ دہلی جائیں گے جہاں ان دنوں قائداعظم نواب زادہ لیاقت علی خاں کے ہاں قیام پذیر تھے۔

لاہور میں خواجہ غلام محمد صادق کی طبیعت خراب ہو گئی چنانچہ ڈاکٹر نے انہیں ایک ہفتہ تک مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ لاچار ہو کر مولانا مسعودی کو صادق صاحب کو لاہور ہی میں چھوڑ کر دہلی جانا پڑا۔ جہاں انہوں نے قائداعظم کے ساتھ تفصیل سے گفتگو کی، محمد علی جناح نے مولانا کو پیش کش کی کہ اگر شیخ عبداللہ مجھ سے بمبئی میں آکر ملنا چاہتے ہیں تو میں اُن کے لیے وقت نکال سکتا ہوں۔

مولانا مسعودی نے سنٹرل اسمبلی کے اگلے اجلاس تک اس ملاقات کو ملتوی رکھنے کی خواہش ظاہر کی جو فروری ۱۹۴۴ء کو دہلی میں ہو رہا تھا۔ البتہ مولانا صاحب نے قائداعظم کو کشمیر آنے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔

۱۸ فروری کو شیخ عبداللہ اور بخشی غلام محمد نے دہلی میں محمد علی جناح سے ملاقات کی اور انھیں کشمیر آنے کی دعوت دی، جناح صاحب نے دعوت تو قبول کر لی لیکن شیخ صاحب سے اس بات کا شکوہ کیا کہ آپ نے نیشنلزم کا جامہ اوڑھ کر مسلمانوں کے کاز کو نقصان پہنچایا۔ اس موقع پر شیخ صاحب نے ان سے کہا۔

"نیشنل کانفرنس کا نیشنلزم محض ہندوؤں کو دھوکہ دینے کے لیے ہے۔ ورنہ میں اور میری پارٹی قومیت پرستی کی حامی نہیں۔"

ایسا سن کر جناح صاحب نے شیخ صاحب کو ٹوکا اور فرمایا۔

"یہ اقلیتوں کو صریحاً دھوکہ دینے والی بات ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔"

ایسا سن کر شیخ صاحب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ (کشمکش)

شیخ صاحب اور بخشی صاحب رخصت ہوئے تو نواب زادہ لیاقت علی خاں نے چوہدری غلام عباس خاں کو دہلی طلب کیا۔ جہاں انہیں شیخ عبداللہ کے ساتھ ہوئی بات چیت پر تیادلہ خیال کیا گیا۔

۸ مئی ۱۹۴۴ء کو قائداعظم محمد علی جناح بحیثیت صدر مسلم لیگ ریاست کی حدود میں سوچیت گڑھ کی سرحد پار کر کے داخل ہوئے جہاں اُن کا عوام نے والہانہ استقبال کیا، ان کے اعزاز میں سپاسنامہ بھی پیش کیا گیا۔

پروگرام کے مطابق جناح صاحب ۹ مئی کو سرینگر پہنچ رہے تھے۔ مگر راستے میں جا بجا ہزاروں لوگوں کے استقبالی جلسوں کی وجہ سے انہیں رات بانہال میں گزارنا پڑی۔ ۱۰ مئی کو بانہال سے سرینگر روانہ ہوئے قاضی گنڈ میں مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس نے استقبال کا الگ الگ انتظام کر رکھا تھا۔ ایک دوسرے کے حامیوں نے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے تشدد آمیز حملے بھی کیے جس کی پاداش میں میرواعظ مولوی یوسف شاہ اور میرک شاہ صاحب اندرابی پر نیشنل کانفرنس کے ورکروں نے پتھراؤ کیا جس سے اُن کی موٹر کو نقصان پہنچا۔ بخشی صاحب کی بروقت مداخلت سے حادثے کو بڑھنے سے روکا گیا۔ انہوں نے مولوی صاحبان کو اپنی موٹر میں بٹھا کر یہاں سے نکال لے گیا۔

کھنہ بل کے استقبالی جلسوں میں لوگوں کا شکریہ ادا کر کے محمد علی جناح اور

ان کی ہمشیرہ فاطمہ جناح نے ڈاک بنگلہ میں مرزا افضل بیگ، بخشی غلام محمد، چوہدری غلام عباس خان اور غلام محمد وانی ایڈوکیٹ کے ساتھ چائے نوش کی۔ یہاں استقبالی جلوس بے قابو ہونے سے کئی افراد بری طرح مجروح ہوئے۔ کھنہ بل سے قائداعظم کا کاروان کے ساتھ سرینگر کی طرف روانہ ہوئے تو اونتی پورہ، پانپور، اتھواجن، بڈگام، سونوار، درگجن کے استقبالی مرکزوں پر تھوڑی تھوڑی دیر تک رکنے کے بعد عوام کا شکریہ ادا کر کے جناح ایک بڑے جلوس کے ساتھ نیشنل کانفرنس کے مرکزی استقبالیہ سنٹر پرتاپ پارک میں آکر رکے جہاں تقریباً ساٹھ ہزار لوگوں کے عظیم الشان اجتماع نے آپ کو خوش آمدید کہا۔

"پرتاپ پارک" جسے ڈسٹرکٹ نیشنل کانفرنس سرینگر نے سائبانوں، محرابوں اور رنگ برنگے کپڑوں سے ملبوس گیٹوں اور دل آویز آرائشوں سے سجا رکھا تھا۔ آپ کی آمد پر فضا نعرہ ہائے مسرت و تحسین سے گونج اٹھا۔

"قائداعظم محمد علی جناح زندہ باد، اسلام زندہ باد، نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، شیر کشمیر زندہ باد، نیشنل کانفرنس زندہ باد۔"

"لیگ کانگریس ایک ہو — گاندھی جناح ایک ہو!"

قائداعظم نعروں کی گونج میں چوہدری غلام عباس، بخشی غلام محمد اور مولانا مسعودی کی معیت میں پنڈال پر آئے جہاں شیخ صاحب کے ساتھ نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے عہدیداروں اور دوسرے لیڈروں نے انہیں خوش آمدید کہا۔ اسٹیج پر مسٹر جناح شیخ صاحب کے ساتھ نہایت تپاک کے ساتھ گلے ملے، حاضرین نے انہیں پھولوں کے لاتعداد ہار پہنائے اور گلدستے پیش کیے کوئی دس منٹ تک آپ پر پھول نچھاور کرنے کے علاوہ فلک شگاف نعروں سے حاضرین فضا میں ارتعاش پیدا کرتے رہے۔

اس استقبالی اجتماع میں ہندو مسلم سکھ سبھی شامل تھے۔

جلسے کے آغاز میں پران ناتھ جلالی نے علامہ اقبال کا قومی ترانا گایا۔

شیخ عبداللہ نے استقبالیہ تقریر میں فرمایا۔

"کشمیر جنت نظیر میں تشریف لا کر رونق بڑھانے والے ہمارے معزز مہمان

مجھے اجازت دیجئے کہ اس ریاست کے باشندوں کی طرف سے آپ کو خیر مقدم کہوں، یہ تمام حاضرین اس وقت جن کی اشتیاق بھری نگاہوں کا مرکز آپ کا مبارک وجود ہے اور کشمیر کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے لاکھوں کشمیری کسان، مزدور جو نیشنل کانفرنس کے جھنڈے تلے منظم ہیں جن کے دِل اقتصادی افلاس کے باوجود محبت اور مخلصانہ دوستی سے معمور ہیں ان کی تمام آواز کو اپنی آواز میں ملا کر اور ان کے دل سے نکلی ہوئی صدا کی ترجمانی کرتے ہیں آپ کو خوش آمدید عرض کرنے کا پُر فخر موقعہ حاصل کرتا ہوں۔

میرا یہ کہنا رسمی معذرت نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم اہل کشمیر کی طرف سے آپ کے شایانِ شان استقبال کرنے کا جو ارادہ رکھتے تھے وقت کی تنگی کے باعث ویسا استقبال نہ ہو سکا اور بعض ناگزیر دِقتوں کی وجہ سے آپ کا جلوس نکالنے کی خواہش بھی ہمارے دل میں رہ گئی مگر ہمیں یقین ہے کہ آپ اس کمی کی طرف نگاہ نہیں کریں گے اور استقبال کی اس مختصر تقریب میں محبت و احترام کے جو حقیقی جذبات کارفرما ہیں وہ آپ کے دل تک راستہ پا لیں گے اور آپ کے اور کشمیر کے باشندوں کے درمیان محبت کے تعلقات کی تمہید بننے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کشمیر آپ کے لیے اجنبی نہیں نہ آپ کشمیریوں کے لیے اجنبی ہیں اس وادی کی زندگی بخش فضائیں اس سے قبل بھی آپ کے افکار و خیالات سے فائدہ اُٹھا چکے ہیں۔ آپ اس گھر کو اپنا گھر جان کر تشریف لائیں ہماری دعا ہے کہ آپ کی تازہ تشریف آوری بھی آپ کے دِل کی مسرتوں اور آپ کے جسم کی راحتوں میں صد گونہ اضافہ کا موجب ہوں میں اس مختصر تقریب کے موقعہ پر کسی بحث طلب مسئلے کو درمیان میں لانے سے اجتناب کرتا ہوں اور ایک بار پھر اہل کشمیر کی طرف سے خلوص و محبت بھرے جذبات کے ساتھ آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

شیخ صاحب کی اس تقریر کے بعد پنڈت جیالال کلم نے نیشنل کانفرنس کی طرف

سے انگریزی زبان میں سپاسنامہ پیش کیا۔ جس میں ذمہ دار نظام حکومت کے موضوع کو مرکز سخن بناتے ہوئے کشمیریوں کی قوم پرستی کے روشن پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا اور امید کی گئی کہ برصغیر ہند کی تمام آزادی پسند جماعتیں ہماری جدوجہد آزادی کی حمایت کریں گی، سپاسنامہ کا اردو میں ترجمہ شیخ صاحب نے پڑھ کر سامعین کو سنایا۔

تالیوں کی گونج میں مسٹر جناح نے سپاسنامے کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"مسٹر شیخ عبداللہ اور شرفاء سرینگر! مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے موزوں الفاظ نہیں ملتے۔ یہ وسیع اور عظیم الشان اجتماع جو اس شہر کے تمام فرقوں اور ہر مفاد اور خیال کے گروہوں پر مشتمل ہے اور راستے میں جگہ جگہ اجتماعات کی طرف سے میرا استقبال کیا گیا وہ ایک ایسی بڑی عزت ہے جس پر کوئی بادشاہ بھی جتنا فخر چاہے بجا طور پر کر سکتا ہے۔ مجھے خوش آمدید کہنے میں جس جوش و خروش اور محبت کا اظہار کیا گیا میں اس کے لیے تہہ دِل سے مشکر گذار ہوں۔ آپ لوگوں نے بحیثیت صدر آل انڈیا مسلم لیگ میرا استقبال کیا ہے میں آپ کا یہ جذبۂ محبت و خیر سگالی ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں تک پہنچاؤں گا جن کا میں نمائندہ ہوں، ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان آپ کی جدوجہد آزادی میں برابر شریک کار ہیں۔"

مسٹر جناح ابھی اپنی تقریر ختم نہ کرنے پائے تھے کہ جیالال کلم اور کئی دوسرے غیر مسلم لیڈروں نے کھڑے ہو کر یہ ہنگامہ کھڑا کیا کہ مسٹر جناح نے مسلم لیگ اور دس کروڑ مسلمانوں کا واحد نمائندہ کیوں کہا، قبل اس کے کہ انہیں جواب دیا جاتا یہ لیڈر پنڈال چھوڑ کر چلے گئے۔

نیشنل کانفرنس کی استقبالیہ تقریب جو بدمزگی میں اختتام پزیر ہوئی یہاں سے مسٹر محمد علی جناح کو جلوس کی صورت میں ڈل گیٹ مسلم کانفرنس کے سٹیج پر پہنچایا گیا۔

یہاں پر انہیں محمد اسماعیل ساغر نے اس شعر کے ساتھ اسلامیان کشمیر کی طرف سے استقبال کیا۔ ؎

کشمیر اپنے بخت پر نازاں ہے کیوں نہ ہو ہے آج اس کا مہمان محمد علی جناح

مسلم کانفرنس کی طرف سے چوہدری غلام عباس خان نے ان کے اعزاز میں سپاسنامہ پیش کیا۔ اس میں کشمیر میں مسلم کانفرنس کا رول اور مسلم لیگ کے نظریئے کی حمایت کا اعادہ کیا گیا۔ سپاسنامے کے جواب میں قائداعظم نے فرمایا۔

"کشمیر مسلم اکثریت کی ریاست ہے۔ یہاں پنتیس۳۵ لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ جن کا خدا ایک، رسولؐ ایک، کلمہ ایک، کعبہ ایک اور قرآن ایک ہے۔ لہٰذا ان کو ایک تنظیم میں منسلک ہو کر آزادی کی جدوجہد کرنی ہے۔ برصغیر ہند کے دس کروڑ مسلمانوں کی تمام تر ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں میری دعا ہے کہ آپ اپنے نیک مقاصد میں کامیاب ہوں۔"

میرواعظ مولوی یوسف شاہ نے مسٹر جناح کی اردو تقریر کا مفہوم کشمیری میں اجتماع کو سمجھا دیا اور معزز مہمان کا شکریہ ادا کیا۔

مسٹر جناح کی ریاست میں آمد سے قبل ان کے پرسنل سیکرٹری نے نشاط باغ کے قریب امجد علی کا بنگلہ کرایہ پر لیا تھا اور متعدد ہاؤس بوٹ ان کے اسٹاف ممبران کے لیے ریزرو کرائے گئے تھے۔

ڈل گیٹ کے اجلاس سے فراغت پاکر آپ ہمشیرہ کے ہمراہ نشاط کے بنگلے میں قیام پزیر ہوئے۔

مسٹر جناح کو کشمیر آنے کی دعوت دیتے وقت یقین دلایا گیا تھا کہ وادی میں اُن کے قیام سے نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کو اس نہج پر لانے میں آسانی ہوگی کہ وہ ریاست میں مسلم لیگ کے نظریہ کی مشترکہ طور پر حمایت کرنے کی راہیں استوار کرسکیں۔ اگلے روز صبح سویرے اسی بنگلے میں شیخ عبداللہ اور محمد علی جناح کے درمیان گفت وشنید کا آغاز ہوا۔

گفتگو کے دوران پرتاپ پارک میں پنڈت برادری کی ناراضگی کا ذکر چھڑ گیا تو محمد علی جناح نے بتایا مجھے ہندوستان کی بیشتر ریاستوں میں غیر مسلموں کی طرف سے انہی حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے نام سے چڑھتے ہیں ـــــ آپ نیشنلزم کی جو دہائی دیتے ہیں میں سمجھتا ہوں یہ دیرپا نہیں۔ آپ کو جب میرے جیسے حالات سے گزرنا پڑے گا تب تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگا۔ تم میرے ان

سفید بالوں کو دیکھ رہے ہو یہ دھوپ میں سفید نہیں ہوئے ہیں اسی سیاست کی وادی میں میری عمر گزری ہے میں بھی پہلے انہی ہندو لیڈروں کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر متحدہ ہندوستان کا خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن مجھے وہ راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرایا گیا۔ یاد رکھو اگر تم نے میری بات نہ مانی تو ایک دن تم پچھتاؤ گے۔"

مسٹر جناح کی زبانی ایسا سن کر شیخ صاحب تھوڑی دیر کے لیے خاموش رہے اور پھر بولے۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں چاہتا ہوں کہ پہلی فرصت میں نیشنل کانفرنس کو مسلم کانفرنس میں مدغم کیا جائے۔"

شیخ صاحب نے جواب دیا۔ "یہ معاملہ اب، صرف میری ذات تک محدود نہیں اس کے لیے دوسرے رہنماؤں سے مشورہ کرنا پڑے گا۔

جناح صاحب نے مشورہ دیا کہ اس کے لیے چوہدری صاحب سے بات چیت کی جائے۔"

شیخ عبداللہ نے اس بارے میں چوہدری صاحب سے بات چیت کرنا مان لیا لیکن یہ بھی کہہ دیا کہ اس کے لیے تحریک کے دیگر رہنماؤں سے رائے لینی پڑے گی، اگر انہوں نے مسلم کانفرنس کے حق میں فیصلہ دیا تو میں اسے قبول کروں گا اور چوہدری صاحب کے حق میں صدارت سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ ہاں اگر اکثریت نے نیشنل کانفرنس کے حق میں فتویٰ دیا تو آپ کو یہ فیصلہ قبول کرنا ہوگا۔

اس فیصلہ پر گفتگو اختتام پزیر ہوئی۔

سرینگر میں دوران قیام بہت سارے معزز شہریوں اور کئی وفدوں نے مسٹر جناح سے ملاقات کی، مسلم کانفرنس کے لیڈروں اور اس تنظیم کے حمائتیوں نے ان کے سامنے واضح کر دیا کہ شیخ صاحب کانگریس کی خوشنودی کے لیے مسلم اتحاد پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ آپ کو یہاں بلا کر استقبال کرنا محض ایک ڈراما ہے۔ ایسا کرکے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ میری پہنچ نہرو، گاندھی اور جناح تک ہے۔ مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے لیڈروں کے ساتھ نیشنل کانفرنس کے بعض رہنماؤں نے بھی

ان سے ملاقات کے دوران یہ شکایت کی کہ "مسلم کانفرنس ہمارے ساتھ بے رخی سے پیش آتے ہیں جس کی وجہ سے مسلمان بٹ رہے ہیں۔

دونوں طرف کے شکوے اور شکایت سن کر جناح صاحب سخت مغموم ہوئے انہوں نے چوہدری غلام عباس کو شیخ صاحب سے بات چیت کرنے کا مشورہ دیا۔

چوہدری صاحب شیخ عبداللہ سے ملے تو دونوں جناح صاحب کے پاس آئے۔ شیخ عبداللہ نے پھر یہ بات دہرائی کہ دونوں پارٹیوں کو ایک دوسرے میں مدغم کرنے کے لیے تحریک کے رہنماؤں سے رائے لی جائے۔

بقول بخشی غلام محمد جو یہاں پہلے ہی آچکے تھے شیخ عبداللہ نے جیب سے کاغذ کا ایک ورق نکال کر جناح صاحب کو پیش کیا۔ جس میں تحریک کے رہنماؤں کی فہرست درج تھی جن سے دو پارٹیوں کو ایک دوسرے میں مدغم کرنے کی رائے لینی مطلوب تھی۔ فہرست میں مولانا محمد سعید مسعودی، بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، مولانا غلام نبی ہمدانی، مرزا افضل بیگ، غلام محی الدین ہمدانی، غلام محمد چکن، غلام محی الدین قرہ، صدرالدین بچھ، احمد یار خاں، غلام محمد جالب، محمد اسحٰق ایڈووکیٹ، محمد عمر بٹ اور ایسے دوسرے مزید درجن بھر لیڈروں کے نام درج تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس لسٹ میں تحریک کے بانیوں میں سے ایک کا نام بھی درج نہیں تھا۔

محمد علی جناح نے جب ان سے تحریک کے بانیوں کا نام حذف کرنے کی وجہ پوچھی تو شیخ صاحب ہڑبڑا کر بولے وہ تین گروپوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ اُن کی رائے آپ دریافت کر سکتے ہیں۔

جناح صاحب تاڑ گئے کہ شیخ عبداللہ کانفرنس کے لیے فہرست جاری کر کے مسلم کانفرنس پر گولہ پھینک رہا ہے۔ انہوں نے فہرست کا پرچہ یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اس میں صرف اپنے حمایتی درج کر کے بد دیانتی کی گئی ہے۔

شیخ صاحب نے جواب دیا۔ "لیکن فہرست میں شامل سبھی اشخاص نے تحریک میں اہم رول ادا کیا ہے۔"

"تم نیشنل کانفرنس کی جو پیروی کر رہے ہو یہ تم ہی کو مبارک ہو! جناح صاحب نے جواب دیا اور اس کے ساتھ وہ ایسے کھڑے ہوئے گویا وہ مزید ان سے کچھ سننا

نہیں چاہتے تھے۔"

شیخ صاحب کا کہنا ہے (جیسا کہ تحریک کی بعض کتابوں میں آیا ہے) محمد علی جناح سے ہم نے کہا "آپ ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دیں اور یہاں کی سیاست سے لاتعلق رہیں — ہم اس بارے میں جو فیصلہ کریں گے یقیناً بہتر ہوگا۔"

لیکن بخشی غلام محمد کا کہنا ہے۔ یہ سب مبالغہ آمیزی ہے۔ کیونکہ جناح صاحب کے کھڑے ہوتے ہی شیخ صاحب اور میں چپکے سے یہاں سے چل دیے۔

محمد علی جناح اور شیخ عبداللہ کی ناکام بات چیت کا چرچا ہوا تو چوہدری غلام عباس خان سے مسلم کانفرنس کے رہنماؤں نے شیخ عبداللہ کے پاس جانے کی باز پرس کی۔ چنانچہ انہوں نے جامع مسجد کی ایک تقریب کے دوران اس کی یوں وضاحت کی

"سیاست میں دشمن کے ساتھ بھی ملنا پڑتا ہے — نیشنل کانفرنس، کشمیری پنڈت اور دوسرے فرقے ہمارے دشمن ہیں۔ ان دشمنوں کے خلاف منظم ہو جائیں۔ حکومت اگر اپنی فوج اور پولیس جو نیشنل کانفرنس کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ ایک طرف ہٹالے گی تو ہم نیشنل کانفرنس کو مٹا سکتے ہیں یہ جماعت پولیس کے بل بوتے پر زندہ ہے۔"

چوہدری غلام عباس خان کی اس ترش و تیز کلامی نے اتحاد و اتفاق کی رہی سہی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ کئی غیر جانبدار لوگوں اور بعض اخبارات نے چوہدری صاحب کے طرز کلام کی مذمت کی، شیخ عبداللہ نے اس موقع پر نرم روی سے کام لیا۔

نیشنل کانفرنس کے کئی لیڈروں اور سرکردہ کارکنوں نے شیخ صاحب کو اس بات پر سخت لتاڑا کہ انہوں نے قائداعظم کو دعوت کیوں دی اور سرینگر میں ان کا شاندار استقبال کیوں کرایا۔ اس بات پر صدرالدین (مجاہد) نے کھلم کھلا شیخ عبداللہ کی مخالفت کی۔

۲۳ مئی کو مسٹر محمد علی جناح نے مقامی اخبار نویسوں جن میں پریم ناتھ کنہ ایڈیٹر "مارتنڈ" غلام محی الدین نور ایڈیٹر "نور"، صدرالدین مجاہد ایڈیٹر اخبار "خالد"، نند لال وتال نمائندہ "ہمدرد"، ایم اے صابر ایڈیٹر "البرق"، مسٹر ایم ساغر

ہے وہ برٹش انڈیا سے جُدا ہے۔ پھر بھی ایک مسلمان بھائی کی طرح میرا فرض ہے ہر بھائی کی رائے سُننا اور اُسے نصیحت کرنا اور ہدایت دینا ہے۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ اِس میں کامیاب ہو جائیں گے۔ نیشنل کانفرنس تقریباً آٹھ برس قبل ۱۹۳۸ء میں وجود میں آئی ہے۔ میں نے دریافت کیا اس میں ہندو اور سکھ کتنے ہیں جواب ملا کہ چند سکھ اور کچھ ہندو ہیں اور اگر ان سات آٹھ سال کا جائزہ لیا جائے تو اس تنظیم میں نہ ہندو ہیں نہ سکھ پھر سوائے مسلمان کے وہاں رہا کون؟ جواب ملتا ہے نہ کبھی ہو تو بھی دروازہ بند نہیں ہونا چاہیے اگر آٹھ سال سے اِس دروازے سے ہندو اور سکھ داخل نہ ہوئے تو اس کا سبب کیا ہے۔ یہ غلطی (کیونکہ نیشنل کانفرنس کا وجود ہی غلط ہے) جس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کے دو فرقے ہو گئے جو ایک دوسرے سے کہتے ہیں ہمارے ساتھ ہو لو، بہت سوچ اور غور و فکر کے بعد آخر یہ جواب ملتا ہے کہ دُنیا کو دکھانا چاہتے ہیں کہ جموں و کشمیر میں فرقہ پرستی نہیں ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس بھی برطانوی علاقہ میں سارے ہندوستانیوں کی دعویدار تھی مگر یہ بات سچی نہیں تھی۔ اس نے یہی رویہ اپنا رکھا اور جھوٹا پروپیگنڈا کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ جو مسلمان، عیسائی، سکھ وغیرہ اس میں شامل ہوئے تھے الگ ہونے لگے۔ ہر سوال پر ہندو اکثریت نے اقلیت کے فائدے کی چیز کو ٹھکرایا کیا آپ جموں و کشمیر میں بھی فریب بازی کرنا چاہتے ہیں کہ ہر بات میں مسلمان اکثریت اقلیت کو پامال کرتی پھرے، یہ کبھی نہیں ہو سکتا اور نہ آپ اس طرح ہندوؤں اور سکھوں کا اعتماد حاصل کر سکتے ہیں۔

صاف کہیئے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم سب کے ترجمان نہیں ہے۔"

وادی کشمیر میں قائداعظم محمد علی جناح کی سرگرمیوں کے بارے میں اخبارات میں چرچے ہوتے رہے اور آئے دن کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا ہوتا رہا۔ کانگریس کے ساتھ ساتھ دوسری تنظیموں اور پارٹیوں نے محمد علی جناح کی سیاسی سرگرمیوں کا توڑ کرنے کا عزم کیا۔ اس سلسلے میں آل انڈیا ہندو مہاسبھا کا نائب صدر سری شاردا کشمیر آیا۔ مٹن میں کئی

دنوں تک قیام کرنے کے بعد انہوں نے اسلام آباد میں یہاں کی ہندو کمیونٹی کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"میں ان سب ہندو بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرا استقبال کیا اور خوش ہو کر جو خیالات میرے سامنے رکھے گئے وہ ہندی میں ہیں۔ ہندی آپ کی زبان ہے اگر آپ نے اسے چھوڑا تو آپ خطرے میں پڑ جائیں گے کل ریاست کے وزیراعظم سر بی۔ این راؤ نے مجھے بتایا کہ شاردا صاحب یہاں کے ہندو فارسی اور عربی الفاظ اپنی تحریروں اور تقریروں میں استعمال کرتے ہیں۔ آپ اپنی قوم کو سمجھا دیں کہ وہ اپنی زبان ہندی استعمال کریں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان اکھنڈ ہے مسلمان اس دیش کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں مگر کیا ہم اپنی ماں کے ٹکڑے ہونے دیں گے ہر ہندو جو بھارت ماتا میں رہائش کرتا ہے ایسا نہیں ہونے دے گا آپ لوگ ڈرتے ہیں کہ یہاں اقلیت میں ہیں لیکن آپ کو غور کرنا چاہیے کہ ایک رنجیت سنگھ نے اپنی تلوار کی زور سے یہ ملک حاصل کیا ہے اور آج یہاں کا حاکم ہمارا اپنا ہندو ہے۔ اور یہ خالص ایک ہندو ریاست ہے کیا اپنی حکومت میں بھی کوئی ڈرتا ہے۔ آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری آبادی ۷۵ فی صد ہے اور مرکزی حکومت میں ہماری نمائندگی ۷۵ فیصد ہو گی، اس لحاظ سے آپ اقلیت میں نہیں اکثریت میں ہیں اور راج ہمیشہ آپ کا ہو گا۔ اگر آپ کو کوئی تکلیف ہو گی تو ہم اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیں گے ہم وہ ہیں جنہوں نے تلوار کے زور سے مغل سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور جن کے نام سے پٹھان بچے آج تک ڈرتے ہیں۔ کشمیر میں چند ایک ہندو اپنے آپ کو نیشنلسٹ جتلاتے ہیں اُن کو واپس آنا چاہیے، ہمیں وہ نیشنل کانفرنس منظور نہیں جس کا سربراہ مسلمان ہو، شیخ محمد عبداللہ کشمیر میں وہی عمل کر رہے ہیں جو جناح صاحب ہندوستان میں کر رہے ہیں۔"

مسٹر چاند کرن شاردا کی اس قسم کی تقریر کی رپورٹنگ جب اخبارات میں شائع ہوئیں تو محمد علی جناح نے اس کا مبہم اشارہ دے کر قوم پرست لیڈر (شیخ عبداللہ)

کو انتباہ کیا اور اپنے دو قومی نظریئے کی تبلیغ میں یہ دلیل دی۔

چند دن ہوئے یہاں ایک جگہ ہندو کانفرنس ہوئی اور ۷، ۲ مئی کو چاند کرن شاردا کی تقریر ہوئی جو بھائی سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے ہوشیار ہیں تو بہت بڑی بھول ہے میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کے ساتھ کوئی نہیں۔ نہ اچھوت نہ سکھ اور نہ مسلمان، اس سے جو نقصان ہندوستان کو ہوا وہ ہمارے سامنے ہے۔ آپ کیا کشمیر میں اسے دہرائیں گے؟"

مسٹر محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں اسلامیان ریاست کو متنبہ کیا کہ ذمہ دار نظام حکومت حاصل کرنے کے لیے لازمی ہے کہ آپ کی دسترس علم و دانش کے مخزنوں پر ہو اگر علم اور اقتصادی فلاح کا پروگرام آپ کے پاس نہ ہوگا تو یہ ساری جد وجہد رائیگاں ہوگی۔ اس مقصد کی خاطر متحد، منظم اور باعمل ہونا اولین شرط ہے۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے یقین کا اعادہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

"مسلمانو! اٹھو، جاگو اور کوشش کرو اور اس مردہ قوم کے ہر شعبہ میں زندگی کی رتن پیدا کرنے کا ایک ہی راستہ ہے وہ ہے ایک جھنڈے کے نیچے ایک نصب العین کو لے کر ہم خیال و ہم نوا ہونا ؎

حرم پاک بھی اللہ بھی قران بھی ایک
کیا بڑی بات تھی ہوتے مسلمان بھی ایک

اگر آپ ذمہ دار نظام حکومت چاہتے ہیں، تو سرگرم عمل ہو جایئے مجھے یقین ہے ہندو اور سکھ آپ سے صلح کر لیں گے اور مہاراجہ ذمہ دار حکومت دیں گے۔ برطانوی ہند میں ہماری حیثیت دوسری ہے۔ مسلمانان کشمیر اگر پاکستان کی اخلاقی حمایت کرتے ہیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے ہم پاکستان ضرور حاصل کریں گے۔ ترکی، ایران، افغانستان کی سرحدیاں ہمارے ساتھ ہیں اور ہم ایک دوسرے کے لیے دعائیں مانگ رہے ہیں۔"

محمد علی جناح کی طرف سے اس قسم کے پرچار سے غیر مسلم لیڈر سخت تلملائے اور وہ شیخ عبداللہ کے پیچھے پڑے کہ وہ جناح صاحب کی اس قسم کی سرگرمیوں کا تدارک کریں۔ شیخ صاحب جو چاند کرن شاردا کی طرف سے سرٹیفکیٹ ملنے کے بعد سخت

غصے اور پچھتاوے میں تھے۔ جناح صاحب کے خلاف کچھ کہنے سے احتراز کرنے لگے۔ لیکن جب ان غیر مسلم لیڈروں نے نیشنل کانفرنس چھوڑنے کی دھمکی دی تو وہ لاٹھی لے کر میدان میں آئے۔

نیشنل کانفرنس کے لیڈروں نے کئی مقامات پر جلسے کیے جن میں مسٹر جناح کو لغو گو ثابت کرنے کے لیے اُن کی زبان سے نکلے ہوئے اس جملے کو جو انہوں نے مسلم کانفرنس کے سپاسنامے کے جواب میں کہا تھا۔

"میں ریاست میں کوئی سیاسی پروپگنڈا کرنے کی غرض سے نہیں آیا ہوں۔"

کو خوب اچھالا گیا اور اُن پر فرد جرم عائد کر کے کہا گیا۔ کہ انہوں نے ریاستی سیاست میں مداخلت کر کے بحیثیت ایک ذمہ دار اور عظیم الشان مسلم رہنما کے ناطے کوئی اعلیٰ معیار قائم نہیں کیا۔

شیخ عبداللہ نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہا۔

"ہمارے محترم مہمان مسٹر جناح نے ۱۰ جون کو مسلم کانفرنس کے اجلاس میں اپنی تقریر میں نہ صرف اپنے آپ کو عملی طور پر مسلم کانفرنس کی سیاست کے ساتھ وابستہ کیا بلکہ نیشنل کانفرنس پر بھی حملے کئے ایسا کرتے ہوئے وہ اس یقین دہانی کو فراموش کر گئے جو انہوں نے کشمیر کی سرحدات کو عبور کرتے جموں میں دی تھی جو آپ کے ان لفظوں کا مخفف ہے۔ "میں یہاں کسی قسم کا سیاسی پروپگنڈا کرنے نہیں آیا۔" مگر موصوف نے یہاں پہنچ کر اپنے قول کا کوئی لحاظ نہ رکھا۔ بلکہ اس جذبے کو بھی صدمہ پہنچایا جو ہم نے سیاسی اختلافات سے بالاتر ہو کر آپ کا استقبال کرنے پر دکھایا دنیا جانتی ہے کہ نیشنل کانفرنس اپنے قیام و دوام کے لیے کسی صورت میں مسٹر جناح کی مرہون منت نہیں۔"

اپنے ایک بیان میں شیخ عبداللہ نے مسٹر جناح کی اُس چوٹ کا جواب دیا جو چوٹ اقلیت کو دھوکہ دینے کی یاد دہانی کرتے ہوئے جناح صاحب نے ان پر کی تھی۔ شیخ صاحب نے فرمایا۔

"مسٹر جناح نے نیشنل کانفرنس پر ایسے ہتھیار سے حملہ کیا ہے جس کو وہ ہندوستان میں نیشنل کانگریس پر آزماتے ہیں۔ ان کے عندیہ کے مطابق

نیشنل کانگریس ہندوستانی اقلیت کو فریب دینے کی ہندووانہ کوشش ہے اور نیشنل کانفرنس کشمیر کی اقلیت کو دھوکہ دینے میں مسلمانانہ کوشش ہے۔

۲۰ جون کو خانیار سرینگر کے ایک عوامی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے اپنی ایک تقریر کے دوران مسٹر جناح سے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

"اسلام کے نام پر وہ دوسروں کو اپنی سیاست کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ انہیں اسلامی اصولوں کے مطابق اپنے قول کا پاس و لحاظ رکھنا چاہیے ان کے تمام احترامات ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے میں یہی کہوں گا کہ انہوں نے وہ معیار قائم نہیں رکھا جو انہیں ایک ذمہ دار اور عظیم الشان رہنما کی حیثیت میں قائم رکھنا چاہیے۔"

شیخ صاحب اور نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کے پاس کوئی ایسی معقول دلیل نہیں تھی جس سے وہ مسٹر جناح کو قائل کرتے اس لیے انہوں نے صرف ایک یہی ڈھول پیٹنا شروع کیا کہ اگر آپ نے کہا تھا میں یہاں کوئی سیاسی پروپگنڈا نہیں کروں گا تو آپ سیاست کے بارے میں خاموش کیوں نہ رہ سکے۔

وادی میں کوئی ڈیڑھ مہینے تک قیام پزیر رہنے کے بعد جون کے آخری ہفتے میں قائداعظم محمد علی جناح واپس روانہ ہوئے تو واپسی پر بارہمولہ میں مسلم کانفرنس کی طرف سے ان کے اعزاز میں زیر قیادت محمد یوسف صراف اور غلام محی الدین وانی الوداعی جلسہ منعقد ہوا۔

اس جلسہ کو ناکام بنانے کے لیے مرکزی نیشنل کانفرنس کی ایک ٹیم سرینگر سے بارہمولہ روانہ کی گئی تھی جو یہاں محمد مقبول شیروانی اور ماسٹر عبدالعزیز سے رابطہ قائم کر چکی تھی۔ جونہی محمد علی جناح جلسہ گاہ پہنچے مخالف عناصر نے پتھراؤ شروع کیا جن سے کئی افراد زخمی ہوئے۔ جن میں محمد علی جناح کے سیکرٹری بھی شامل تھے اس اچانک تشدد آمیز مظاہرے کے نتیجہ میں مسٹر جناح جلسہ گاہ میں کچھ بھی بہ بول نہ سکے۔ مظاہرین کی کوشش رہی کہ مسٹر جناح کے گلے میں جوتوں کی مالا ڈالی جائے لیکن وہ اس ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قائداعظم اور ان کی ہمشیرہ اور دوسرے ساتھیوں کو پولیس کی حفاظت میں کوہالہ پل پار کرنا پڑا۔

بقول رشید تاثیر، ظاہر ہے کہ نیشنل کانفرنسیوں کی اس حرکت سے مسٹر جناح کی

تضحیک مطلوب تھی۔ مگر حق تو یہ ہے کہ اس غنڈہ گردی نے کشمیری قوم پرست قائدین کی اخلاقی کراوٹ اور ذہنی غربت کا بدترین ثبوت پیش کیا اور یہ سوچنے کا موقعہ بہم پہنچایا کہ یہ کس قماش کے لوگ ہیں جو اپنے مہمان کو خندہ پیشانی سے الوداع کہنے کے بجائے جوتوں کے ہار پہنانے پر فخر محسوس کرتے۔ اس مظاہرے نے یقیناً کشمیریوں کی مہمان نوازی پر کلنک لگایا۔

اس طرح مسٹر محمد علی جناح کے کشمیر آنے کا مقصد فوت ہو گیا۔ وہ شیخ عبداللہ کو قریب لانے کے بجائے ان سے اور بھی دور ہوئے، اُن کی نظریاتی رقابتوں میں اضافہ ہوا، شیخ عبداللہ سے مسٹر جناح کی ناراضگی کا تذکرہ کرتے ہوئے مسٹر درگا داس اپنی کتاب "انڈیا فرام کرزن ٹو نہرو اینڈ آفٹر" میں لکھتا ہے۔ جب جناح سے شیخ عبداللہ کے بارے میں پوچھا گیا تو جناح نے جواب دیا۔

"وہ لمبا آدمی جو قرآن گا گا کر عوام کو گمراہ کر رہا ہے۔"

شیخ عبداللہ کے بارے میں محمد علی جناح کے یہ ریمارکس اگرچہ چاند کرن شارداکے ان ریمارکس "ہمیں وہ نیشنل کانفرنس منظور نہیں جس کا سربراہ شیخ عبداللہ جیسا مسلمان ہو۔" سے بالکل مختلف تھے، لیکن اس سے واضح ہو گیا وہ دونوں فرقوں کے لیے ناقابل اعتبار اور ناقابل قبول تھے۔



شیخ محمد عبداللہ



لاڈ مونٹ بیٹن کانگریسی لیڈروں کے گھیرے میں۔ یہ بھی برصغیر کی تقسیم سے قبل کشمیر کو بھارت کے ساتھ ملانے پر کام کر رہے تھے۔

میرے جگر کے لہو میں ہیں آج ڈوبی ہوئی
وہ انگلیاں کہ جو مخصوص تھیں حنا کے لیے

نیشنل کانفرنس کے اجلاس، کانگریس کی حکمت عملی، ریاست پر اسکے اثرات

حکومت کی طرف سے اسمبلی انتخابات کا نوٹیفکیشن جاری ہوا تو مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس نے انتخابات میں شرکت کا اعلان کیا۔ دونوں پارٹیاں بڑے شد و مد کے ساتھ میدانِ انتخاب میں اُتر آئیں اور ایک دوسرے کو پچھاڑنے کے لیے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنے لگیں۔

انتخاب کے پرچار میں مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس ایک دوسرے پر سبقت لینے لگی۔ دنگا فساد کے دوران انتخابات مکمل ہوئے ۲۱ منتخب نشستوں میں سے ۱۹ پر مسلم کانفرنس نے قبضہ کر لیا، نیشنل کانفرنس کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس جماعت کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑا کہ ان کے ساتھ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی اکثریت نہیں ہے۔

الیکشن مہم کے دوران غنڈوں اور بلوائیوں نے مسلم کانفرنس کا جو قافیہ تنگ کیا تھا اس نے نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کو خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔

انتخابات کے نتائج کے اعلان نے نیشنل کانفرنس کو دم بخود کر کے اس کے ماتھے پر جو شکست لکھ دی اس سے نہ صرف نیشنل کانفرنس کو زبردست دھچکا لگا بلکہ کانگریس سخت مایوسی اور ہزیمت کا شکار ہو گئی۔

ہندوستان بھر میں مسلم لیگ نے اسے اپنی فتح اور کانگریس نے اپنی شکست سے تعبیر کیا۔ چنانچہ مسلم لیگ کے بعض رہنماؤں کے ساتھ ساتھ کانگریس کے لیڈر یہاں آنے

لگے۔

ایک گروپ اپنی فتح پر شاداں تھا اور دوسرا گروپ شکست کے اسباب کا جائزہ لینے لگا۔ نیشنل کانفرنس کی ہار کا کانگریس نے سنجیدہ نوٹس لیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ خان عبدالغفار خاں بذات خود یہاں آ گئے۔

سرینگر آ کر سب سے پہلے پنڈت نہرو نے گوپالاسوامی آئینگر سے ملاقات کی اور اس کے بعد وہ گلمرگ چلے گئے۔ گلمرگ کے فیڈوز ہوٹل میں شیخ صاحب پنڈت نہرو کے ساتھ دو دنوں تک اس شکست کے اسباب پر تبادلہ خیالات کرتے رہے۔

گلمرگ کی واپسی پر شیخ عبداللہ نے ہوٹل کارونیشن میں بخشی غلام محمد، مرزا افضل بیگ کیشپ بندھو، غلام احمد جونلر اور حاجی مامہ کلو آف نشاط کے ساتھ ایک میٹنگ کی، میٹنگ میں ان احباب کے سامنے واضح کر دیا گیا کہ اسمبلی کے مسلم کانفرنسی ممبران کو توڑ کر انہیں نیشنل کانفرنس میں شامل کرنا ہے۔ اس کام کے لیے اپنا اپنا اثر و رسوخ اور رقومات، استعمال کرنا پڑے تو کوئی پس و پیش نہیں ہوگا۔ کانگریس اس کام کے لیے رقومات فراہم کرے گی۔ اگر ہم مسلم کانفرنس کے کچھ ممبران کو توڑنے میں کامیاب ہوئے تو نیشنل کانفرنس کے ممبران کو وزارت میں لیا جائے گا۔

۳۰ جون کو پنڈت نہرو اور خان عبدالغفار خاں کے ساتھ دوبارہ میٹنگ کرنے کے بعد شیخ عبداللہ گوپالاسوامی آئینگر کے پاس گئے۔ واپسی پر شیخ صاحب پھر پنڈت نہرو سے ملے، پنڈت جواہر لال نہرو اور خان عبدالغفار خاں کے واپس دہلی جاتے ہی ممبران کو خریدنے کا کام شروع ہو گیا۔ کافی کوشش کے بعد صرف چند ممبران جب نیشنل کانفرنس کا علیحدہ گروپ بنا سکا تو گوپالاسوامی آئینگر نے اسے شیخ عبداللہ کی ناکامی سے تعبیر کیا۔ کیونکہ ۱۵ مسلم کانفرنس کے گروپ جس کا لیڈر حمید اللہ خاں تھا حسب سابقہ اپنا کام کرتا رہا۔ اس کے مقابلہ میں نیشنل کانفرنس کا گروپ کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا۔

نیشنل کانفرنس کے لیڈر جب اپنا ٹارگٹ پورا نہ کر سکے تو آئینگر نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا آئینگر کی اس ناراضگی سے نیشنل کانفرنس بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئی اور انہوں نے اب روپے کی لالچ دینے کے بجائے دھمکی اور دھونس سے کام لینا شروع کیا

مسلم کانفرنس کے ممبران کو توڑنے کے لیے جبر طاقت کا استعمال کیا جانے لگا اور حکومت ایک طرفدار بن گئی تو گوپالاسوامی آئینگر کی پوزیشن مضحکہ خیز بن گئی مسلم کانفرنس نے آئینگر کے خلاف ایک بڑا جلوس منظم کیا جس میں ان کی ارتھی نکال کر "آئینگر گو بیول خداین گھول" (خدا نے آہنگر اور اُن کی نسل کو ختم کیا) کے نعرے لگائے۔ یہ جلوس جب شہر کی سڑکوں پر گھوم پھر کر امیرا کدل میں اختتام پزیر ہوا یہاں آئینگر کا پتلا جلایا گیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے گوپالاسوامی آئینگر کو شنٹ اوٹ کرنے کا فیصلہ لیا۔ آئینگر نے نیشنل کانفرنس کی طرفداری سے ہاتھ روک لیا تو نیشنل کانفرنس ناراض ہو گئی دیکھتے ہی دیکھتے آئینگر اور شیخ عبداللہ کے تعلقات بگڑ گئے۔

اسی دوران ایوان اسمبلی میں ہندی زبان کی ترویج اور قانون اسلحہ کی منظوری (جس کی رو سے ہندوؤں کو مسلح اور مسلمانوں کو غیر مسلح کر دینا مقصود تھا) حکومت نے تحریک پیش کر دی مسلم کانفرنس کے ممبران نے جہاں اس تحریک (بل) کے خلاف آسمان سر پر اُٹھایا وہاں نیشنل کانفرنس کا گروپ بالکل خاموش رہا۔ جب یہ بات عوام تک پہنچ گئی تو نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈر شپ کو ہدف ملامت بنایا گیا۔ نیشنل کانفرنس کے خلاف عوام میں شدید ردعمل ہوا تو شیخ صاحب گھبرا گئے اور اسی گھبراہٹ میں انہوں نے اپنے چار ممبری گروپ سے استعفےٰ دلوایا۔

وزیر اعظم آئینگر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ ان کے استعفےٰ منظور کرائے۔

مسلم کانفرنس نے تجویز پیش کی کہ ان خالی جگہوں پر ضمنی انتخاب کرائے جائیں تو نیشنل کانفرنس دم بخود ہو گئی۔ انہوں نے روپے کا لالچ دے کر اسمبلی ممبران کو خریدنے کی بنیاد ڈال کر جن ممبران کو حاصل کر لیا تھا وہ اپنے انجام کو پہنچ کر اسمبلی کی ممبری سے محروم ہوئے تھے اور ضمنی انتخاب میں نیشنل کانفرنس کے واپس آنے کا سوال مخدوش تھا۔

کانگریس کی ہدایت پر کافی دولت صرف کرنے کے بعد جو چند ممبران نیشنل کانفرنس حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی تھی وہ ساری دولت ضائع ہو رہی تھی۔ اُدھر کانگریس ان ممبران کی تعداد بڑھانا چاہتی تھی اور اِدھر نیشنل کانفرنس اپنی خفت مٹانے کے لیے ان کو بھی ممبری سے محروم کر چکی تھی۔

اس بارے میں چوہدری غلام عباس خاں نے اپنی کتاب "کشمکش" میں لکھا ہے۔

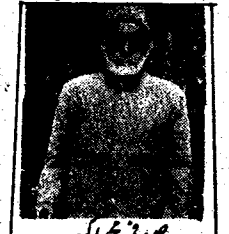
"اس صورت حال نے نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کو پریشان کر دیا چنانچہ اس سلسلے میں پنڈت جواہر لال نہرو کے نام ایک ذاتی مراسلہ لے کر بخشی غلام محمد دہلی روانہ ہو گئے۔ ایک ہفتہ کے اندر جب بخشی صاحب دہلی سے واپس آ گئے تو نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ نے آئینگر کے سامنے سجدہ سہو کیا۔ آئینگر نے ان ممبران سے ناک رگڑوائی اور پھر مہاراجہ ہری سنگھ کے پاس جا کر ان کے استعفےٰ واپس لے کر ان پر ایک احسان کیا۔

اس احسان کے بدلے میں اب چار ممبری گروپ ایوان میں سرکاری گروپ کہلایا چنانچہ مہاراجہ ہری سنگھ نے جب اصلاحات کے سلسلے میں اسمبلی ممبران سے دو منسٹر لینے کا فیصلہ کر لیا تو مسلم کانفرنس نے منسٹری لینے سے انکار کیا جبکہ نیشنل کانفرنس مرزا افضل بیگ اور احمد یار خاں کے روپ میں منسٹری لینے میں کامیاب ہو گئی۔

ہر بالغ نظر شہری کی نظر میں نیشنل کانفرنس کی یہ نئی پوزیشن اس کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی لوگوں میں اپنا کھویا ہوا اعتماد بحال کرنے کے لیے دو ماہ کے اندر انہیں اس وزارت سے مستعفی ہونا پڑا۔"

نیشنل کانفرنس کے دو ممبران کو وزارت میں لینے پر نیشنل کانفرنس کا جشن فتح اور ان منسٹران کی درگاہ حضرت بل میں ایک بڑے اجتماع کے سامنے دستار بندی کے چرچے ابھی زبان زد عام تھے۔ ابھی اس کے آثار باقی تھے کہ اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لیے انہیں خود ہی یہ دستار اتارنے پڑے۔

نیشنل کانفرنس کا پہلا سالانہ اجلاس بارہمولہ میں منانے کا فیصلہ لیا گیا۔ صوفی محمد اکبر کی صدارت میں استقبالیہ کمیٹی تشکیل دی گئی۔


صوفی محمد اکبر

استقبالیہ کمیٹی کے صدر خواجہ سیف اللہ شاہ سیکرٹری بابو جگدیش رام جوائنٹ سیکرٹری سردار اوتار سنگھ اور خزانچی چودھری دامودر پنڈت مقرر ہوئے۔ کانفرنس کی صدارت

سردار بدھ سنگھ کو تفویض کی گئی۔

نیشنل کانفرنس کا یہ سالانہ اجلاس ۲۷، ۲۸، ۲۹ ستمبر ۱۹۴۰ء کو بارہمولہ میں منعقد ہوا خطبہ صدارت سردار بدھ سنگھ نے پڑھ کر سنایا۔ اس میں ریاست کے اجمالی نقشے کی آڑ میں قوم پرور کارناموں کی تفصیل پیش کی گئی۔

کانفرنس کے کھلے اجلاس میں شیخ عبداللہ نے ذمہ دار نظام حکومت کے مطالبہ اور نصب العین کو تحریک کے تدریجی ارتقاء کا نتیجہ قرار دے کر تحریک کے غرض و غایت کی تفصیل سے وضاحت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

"جو لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ ہم نے غلط قدم اٹھایا انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم اسلام کو بہتر طریقے سے سمجھتے ہیں اسلام نے مظلوم کی حمایت میں ہندو مسلم سکھ عیسائی کی تفریق جائز نہیں رکھی، مجھ پر خدا اور آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے یہی فرض عاید کیا ہے۔

اجلاس میں پنڈت پریم ناتھ بزاز کی قرارداد "زمین کی ملکیت ان کسانوں کو ملنی چاہیے جو اپنے ہاتھوں سے ہل جوتتے ہیں۔" بہ اتفاق رائے پاس ہوئی اس کی تائید سردار مہندر سنگھ نے کی۔

پریم ناتھ بزاز کی ایک اور تجویز جس کی تائید صوفی محمد اکبر نے کی میں کہا گیا کہ "ذمہ دار نظام حکومت قائم ہوتے ہی وہ تمام قرضہ جات جس کا سود اصل زر کے برابر ادا کیا گیا ہو منسوخ قرار دئے جائیں۔"

مرزا افضل بیگ نے تجویز پیش کی کہ زمینوں کی آمدنی پر مالیہ انکم ٹیکس کے اصولوں کے مطابق تدریجی تشخیص سے لگایا جائے تاکہ غریبوں پر کم اور امیروں پر زیادہ بوجھ پڑے، اس کی تائید غلام محمد صادق اور محمد خلیل کچلو نے کی۔

میاں احمد یار خاں نے کاہچرائی کے سلسلے میں جو تجویز پیش کی اس میں حکومت کی اختیار کردہ روش کی مذمت کی گئی۔

سارے اجلاس کے دوران ذمہ دار نظام حکومت پر اتفاق رائے پایا گیا۔

اجلاس کے اختتام پر جموں کے مندوبین واپس گئے تو دیوان نرسنگھ داس نرگس ایڈیٹر "چاند" کے دفتر پر نیشنل کانفرنس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اور یہ فیصلہ طے پایا کہ

ہر فرد جو جموں کانگریس کا ممبر ہو نیشنل کانگریس کا بھی ممبر بن سکتا ہے۔

نیشنل کانفرنس کا اگلا اجلاس ۲۲، ۲۳، ۲۴ اگست ۱۹۴۱ء میں سرینگر میں منعقد ہوا۔ جہاں سردار بدھ سنگھ کو ہی صدارت کے فرائض تفویض ہوئے ۲۳ اگست کو بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، مولانا مسعودی، مرزا افضل بیگ، مولانا بیہقی، سردار سنت سنگھ تیغ اور صدرالدین مجاہد کی رہنمائی میں صدر کانفرنس کے اعزاز میں ایک شاندار جلوس ترتیب دیا گیا۔

جلوس پورے شہر کا گشت لگا کر رات کو دیر سے مجاہد منزل پہنچ کر اختتام پزیر ہوا۔ اس اجلاس میں پنڈت نہرو مصروفیت کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے۔ البتہ ان کی ہدایت پر خان عبدالغفار خاں شامل اجلاس ہوئے۔ انہوں نے اپنی مختصر تقریر میں نیشنل کانفرنس اور اس کی لیڈرشپ کی تعریفیں کرتے ہوئے تحریک کے لیے ان کی خدمات کو خوب سراہا۔ انہوں نے فرمایا۔

"میں سمجھتا ہوں یہ سب کشمیر کے اس مایہ ناز فرزند شیخ محمد عبداللہ کی کوششوں قربانیوں اور کارناموں کا نتیجہ ہے لوگوں میں جذبہ اور ولولہ دیکھ کر میرا دل خوش ہو رہا ہے۔"

کانفرنس کے اجلاس میں مجلس استقبالیہ کے صدر بخشی غلام محمد تھے۔ انہوں نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں ہندوستان کی دیسی ریاستوں کے راجوں مہاراجوں اور نوابوں کی انا اور احساس کو جھنجھوڑتے ہوئے موثر انداز میں ریاستوں میں ذمہ دار نظام حکومت قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔

سردار بدھ سنگھ نے اپنے خطبہ صدارت میں ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کے حکومت برطانیہ کے اس اعلان کو جس میں ہندوستانیوں کی مرضی اور خواہش جاننے کے پس منظر میں جذبہ آزادی کو اُجاگر کیا۔

انہوں نے حکومت برطانیہ کے وزیراعظم مسٹر چرچل اور وزیر ہند مسٹر امیرے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہندوستان کے سیاسی تعطل کے خاتمہ کے لیے بہانہ سازیوں کو چھوڑ کر ہندوستان کی آزادی کا اعلان کریں۔

سردار بدھ سنگھ نے تحریک آزادی کشمیر کے ابتدائی دور کے پس منظر میں مہاراجہ

ہری سنگھ کو ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء ۱۱ فروری ۱۹۳۹ء اور ۲ ستمبر ۱۹۳۹ء کے اعلانات کا حوالہ دے کر یاد دلایا کہ اُس نے ریاستی باشندوں سے یہ وعدہ کیا کہ اسمبلی کا انعقاد نہ صرف ریاستی باشندوں کو رموز سلطنت میں شریک کار بناتا ہے بلکہ ان کا صلح و مشورہ بہتر انتظامیہ کا ضامن بھی ہے۔ البتہ کشمیر اسمبلی کے گزشتہ آٹھ برسوں کے مشاہدے نے ان اعلانات کا بھرم کھول کر رکھ دیا ہے۔

نیشنل کانفرنس کے اس اجلاس میں کئی قرار دادیں پاس کی گئیں۔ مرزا محمد افضل بیگ نے انسداد قحط کے عنوان سے ایک تجویز پیش کی خواجہ غلام محمد صادق نے اس کی تائید کی۔

ذمہ دار نظام حکومت کی قرارداد مولانا مسعودی نے پیش کی اس کی تائید و حمایت میں صوفی اکبر، سردار سنت سنگھ، حکیم امین الدین، سردار سادھو سنگھ ماسٹر روشن لال اور آخیر پر شیخ عبداللہ نے تقریریں کیں۔

کاہچرائی قانون مجریہ ۱۹۳۷ء کی ترمیمات کے سلسلے میں میاں احمد یار خان نے تجویز پیش کی، مرزا افضل بیگ نے اس کی تائید کی۔

کوا پریٹو تحریک پر کمیشن کی تجویز راجہ محمد اکبر خان نے پیش کی اس کی تائید خواجہ غلام محمد صادق نے کی۔

ماسٹر روشن لال نے نیشنل کانفرنس کے آئین اساسی کی پہلی دفعہ میں لفظ "پُرامن مساعی" کاٹنے کی تجویز پیش کی جس پر ایک ہنگامہ کھڑا ہوا، مولانا مسعودی نے اس تجویز کی مخالفت کی بحث میں مولوی عبداللہ سیاکھوی، پنڈت رگناتھ وشنوی محمد اکبر سردار ٹیکا سنگھ، سید مبارک شاہ، غلام محی الدین اور کامریڈ محمد شفیع نے بھرپور حصہ لیا۔

نیشنل کانفرنس کا اگلا اجلاس میرپور میں کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔ اجلاس کے اختتام پر ایک مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت کے فرائض سر شیخ عبدالقادر نے انجام دئے حفیظ جالندھری نے اپنی مشہور نظم "ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا" پڑھ کر سنائی۔

اپریل ۱۹۴۳ء کے پہلے ہفتے میں مہاراجہ ہری سنگھ نے گوپالا سوامی آیئنگر کو وزیراعظم کے عہدے سے سبکدوش کیا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی مسلم کانفرنس نے ریاست

بھر میں ۹ اپریل کو یوم نجات کے طور منانے کا اعلان کیا۔ اس روز وادی کے ساتھ صوبہ جموں میں مسلم کانفرنسیوں نے کئی جلوس نکال کر اظہار مسرت کا مظاہرہ کیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے نام آئینگر کی سبکدوشی پر بے شمار تاروں کے ذریعے اظہار اطمینان کیا گیا۔

نئے وزیر اعظم سر کنور مہاراج سنگھ کی خوش آمدید کہتے ہوئے آن سے توقع کی گئی کہ وہ آئینگر کے دور کی تلخ یادوں کو اہل ریاست کے دلوں سے مٹانے اور انہیں باوقار زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کرے گا۔

۹ اپریل کی شام کو جامع مسجد کے احاطہ میں مسلم کانفرنس زون سرینگر کے زیر اہتمام مولوی محمد امین کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں آئینگر وزارت کے نقائص اور متعصب انتظامیہ کی نکتہ چینی کی گئی۔ جلسہ کی صدارت سید میرک شاہ اندرابی نے کی، مولوی نورالدین نے آئینگر وزارت کے دور کے خلاف ایک قرارداد پیش کی جس کی اکثریت نے تائید کی۔

اس روز جب سرینگر میں آئینگر کے ہٹائے جانے پر مسلم کانفرنس کی طرف سے شادیانے منائے جا رہے تھے۔ میرپور میں نیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا۔ تین دنوں کے اس اجلاس کی صدارت کے فرائض شیخ صاحب خود انجام دے رہے تھے۔ اس اجلاس کی بڑی خصوصیت یہ رہی کہ نیشنل کانفرنس کانگریسی نظریات سے ہٹ کر اشتراکی اثرات کی شکار ہوتی نظر آنے لگی۔ شیخ عبداللہ نے خطبہ صدارت میں روس کے اشتراکی نظام کی کھل کر حمایت کی، انہوں نے برطانوی سامراج کی ان شاطرانہ چالوں کا پردہ چاک کیا جو ہندوستانیوں کو قومی اتحاد میں حائل کر کے اپنے مقاصد حاصل کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے ہندوستانیوں سے قومی اتحاد مضبوط بنانے کی اپیل کرتے ہوئے کہا کہ چند لوگ ذاتی مفادات کی خاطر "مذہب خطرے میں ہے" کا نعرہ لگا رہے ہیں حالانکہ ہندوستان میں اختلافات کا حقیقی سبب مذہب نہیں بلکہ اقتصادی ناہمواری ہے اور اس کا صحیح اور واحد اعلاج ہندوستان کی مکمل آزادی میں مخفی ہے۔

مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان کا ذکر کیے بغیر انہوں نے فرمایا۔

"میں بحیثیت ایک مسلمان کے یہی کہتا ہوں کہ ایک مسلمان کو اس واقعیت پر ایمان رکھنا فرض ہے کہ وہ ہندوستانی ہے۔ ہندوستان اس کا گھر ہے، ہندوستان

کی خاک سے وہ پیدا ہوا ہے اور اسی خاک میں اسے ملنا ہے۔ اسلام کو سندھ میں قدم رکھے ہوئے تیرہ سو سال ہوئے، ہندوستان کے باقی حصوں میں ایک ہزار سال اور کشمیر میں ساڑھے چھ سو سال کی مدت گزر چکی ہے۔ ہمارے کروڑوں آباواجداد کا وجود ہندوستان کی مٹی کا جزو بن چکا ہے اور آج اس سرزمین کے ذرے ذرے میں ہمارا خون ملا ہوا ہے کشمیر سے لے کر راس کماری تک اور درہ خیبر سے لے کر نیپال تک اس زمین کا کون سا علاقہ ہے جس میں مسلمانوں کی یادگاریں، ان کی بستیاں، ان کے معابد و مساجد، زیارت و مقابر اور ان کے علمی و عملی کمالات کے لازوال نمونے پھیلے ہوئے ہیں۔ سرنگاپٹم ہو یا سرینگر دونوں ہمارے ہیں۔ ان حالات میں ہم ہندوستان کے کسی علاقے سے بھی دستبردار نہیں ہو سکتے۔ اب اس تمام سرزمین پر ہمارے حقوق دائمی اور ابدی ہو چکے ہیں۔ الغرض ہندوستان ہی ہمارا وطن ہے اور یہی ہمارا وطن رہے گا۔ وطن کی محبت ہمارا جزو ایمان ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے اس وطن اور گھر کو غیروں کے تسلط سے آزاد کرنے اور اس کے مالک بننے کی کوشش میں سب سے آگے رہیں۔"

اپنے خطبہ صدارت کے اختتام پر شیخ عبداللہ نے ریاست کے ان تمام افراد اور سیاسی جماعتوں کو جو ذمہ دارانہ نظام حکومت کے حصول پر یقین رکھتے ہیں دعوت دی کہ قوم پرست تحریک میں شامل ہو کر سیاسی بیداری پھیلانے اور فرقہ وارانہ منافرت کی جڑیں کاٹنے کے لیے متحد ہو جائیں۔ کیونکہ نیشنل کانفرنس کا وجود اس عمل کی تکمیل کے لیے لایا گیا ہے۔ اجلاس میں انہوں نے نیشنل کانفرنس کے ورکروں کے لیے پانچ رہنما اصول واضح کیے۔

۱۔ نیشنل کانفرنس کی تنظیم کو ریاست کے چپہ چپہ میں منظم کرنا۔

۲۔ ریاست کے لوگوں کو اپنے حقوق اور فرائض کی نسبت بیدار کر کے ان کے ذہن میں اس بات کو بٹھانا کہ ہم بحیثیت ریاستی اور بحیثیت ہندوستانی ہر قسم کی سیاسی اور اقتصادی لوٹ گھسوٹ اور غلامی سے آزاد ہونے کا حق رکھتے ہیں اور یہ حق ہم کو بحیثیت ہندوستانی غیر ملکی اقتدار سے مکمل آزادی اور قومی جمہوری حکومت کے

قیام سے ہم اس حق کو پا سکتے ہیں اور اُن حقوق کو حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن قربانی دینا ہمارا فرض ہے۔

۳۔ جنگ کے اثرات اور نتائج سے کھانے پینے اور پہننے اور آئے دن کی استعمال کی دوسری ضروری چیزیں نایاب اور گراں ہو جانے کی وجہ سے عام لوگوں کو جو مصیبتیں درپیش ہیں اُن کو دور کرنے کے لیے نیشنل کانفرنس کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانا۔

۴۔ جنگ کے اُتار چڑھاو سے عام لوگوں میں جو بے چینی بے اطمینانی اور کم ہمتی پیدا ہو جائے اس کو دور کر کے عوام کے اخلاق اور ہمت کو بلند رکھے۔

۵۔ ریاست کے مختلف فرقوں، ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں وغیرہ میں ہمدردی رواداری اور محبت کے جذبات کو بڑھانے اور ان تمام باتوں کو جڑ سے اُکھاڑ دیجئے جو پھوٹ، فرقہ وارانہ نفرت اور جھگڑا پیدا کرنے والی ہوں اور اُن تمام سازشوں کا قلع قمع کیجئے جن کا جال ملک کے امن و امان کو تباہ کرنے اور باشندگانِ ریاست کے مختلف گروہوں کو آپس میں لڑانے کے لیے پھیلایا جا رہا ہے۔"

تین دنوں کے بعد سالانہ اجلاس اختتام پزیر ہوا تو شیخ عبداللہ جموں میں رکنے کے بعد دہلی روانہ ہو گئے۔

۱۹ اپریل کو سر مہاراج سنگھ نے وزارت اعظمیٰ کا عہدہ سنبھالتے ہی انتظامیہ کو جس ڈھنگ سے چلانا شروع کیا اس کے ساتھ مہاراجہ ہری سنگھ نے کچھ اتفاق اور کچھ اختلاف کیا۔ اتفاق پر اختلاف غالب آ گیا تو ۱۵ اگست کو انہوں نے استعفیٰ پیش کیا۔ ان کی جگہ عارضی طور پر کیلاش نرائن ہکسر کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔

نیشنل کانفرنس کا اگلا اجلاس ۲۹ ستمبر سے یکم اکتوبر ۱۹۴۴ء تک سرینگر میں منعقد ہوا۔ اس میں پہلی بار "نیا کشمیر" کا پروگرام پیش کیا گیا۔ نیشنل کانفرنس کے لائحہ عمل میں توانائی لانے کے لیے "نیا کشمیر" کا پروگرام پیش تو کیا گیا لیکن اس طرح بھی جب مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کی اکثریت اس جماعت کی طرف مائل نہ ہو سکی تو مختلف طریقے آزمائے گئے۔

پچھلے انتخابات سے فتح یاب ہو کر مسلم کانفرنس نے اپنی صفوں کو مضبوط کرنے اور مسلم کانفرنس کا دائرہ وسیع کرنے کا پروگرام بنایا اس میں انہیں خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔

شہر سرینگر میں چونکہ نیشنل کانفرنس کے حمایتی تعداد میں زیادہ تھے اس لیے وہ مسلم کانفرنس کے اجلاس کو تتر بتر کرنے میں حاوی ہو جاتے تھے۔

۱۶ مارچ ۱۹۴۵ء کو مسلم کانفرنس کے تحت عید میلاد النبی صلعم کا ایک عظیم الشان جلوس نکلا۔ یہ جلوس لگ بھگ نصف شہر میں گھمایا گیا۔ جلوس کی قیادت چوہدری غلام عباس خاں کر رہے تھے۔ قریشی محمد یوسف ان کے ساتھ ساتھ تھے۔

اس جلوس میں پہلی بار "مسلم لیگ اور پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگائے گئے۔ جلوس کی اس گونج نے نہ صرف مقامی نیشنل کانفرنسیوں کو مشتعل کیا بلکہ اس سے کانگریسی رہنما سخت تلملائے، سردار پٹیل نے پنڈت نہرو کے پاس جا کر کچھ اس انداز سے شکایت کی جیسا کہ پنڈت نہرو نے ان کو گارنٹی دی تھی کہ شیخ عبداللہ کے ہوتے ہوئے کشمیر میں اس قسم کے حالات پیدا نہیں ہوں گے۔ پنڈت نہرو نے ۲۰ مارچ کو دیوان چمن لال کو سرینگر روانہ کیا تاکہ وہ شیخ صاحب سے مل کر کشمیر کے حالات کے بارے میں تفصیلات فراہم کریں۔

شیخ صاحب اور دیوان چمن لال کے درمیان ہوئی گفتگو کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ لیکن یہ بات واضح ہو گئی کہ کانگریس کے لیڈر نیشنل کانفرنس کی لیڈر شپ کو کشمیر میں اپنی لابی سمجھ کر کشمیر کے ناموافق حالات کے بارے میں اس لابی سے باز پرس کے اختیارات استعمال میں لاتی تھی۔

کانگریس کے لیڈر شیخ عبداللہ کے جواب سے مطمئن نہ ہوئے چنانچہ پنڈت نہرو نے خود کشمیر آنے کا فیصلہ کر لیا لیکن ملک کو انگریزوں کے تسلط سے آزاد کرانے کی تحریک میں الجھنے کی وجہ سے وہ کئی بار کشمیر آنے کی تاریخیں مقرر کر کے ملتوی کرتا رہا۔

اسی دوران جون ۱۹۴۵ء میں جموں میں مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس بلانے کے لیے دوڑ دھوپ شروع ہو گئی۔ لیکن حکومت نے انہیں جموں میں کانفرنس کرنے کی اجازت نہیں دی، انہوں نے راولپنڈی میں جلسہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو یہاں بھی رکاوٹ ڈال دی گئی اس کے بعد اجلاس پونچھ میں کرنے کا اعلان کیا گیا۔

چنانچہ ۶ ماہ جولائی کو پونچھ میں مسلم کانفرنس کا ایک یادگاری عظیم الشان اجلاس ہوا، اجلاس سے قبل مولوی یوسف شاہ کا شاہانہ استقبال کیا گیا۔ ہزاروں

کی تعداد میں لوگ سڑک کے دونوں طرف ان کے چشم براہ تھے۔ سرزمین پونچھ پر نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، اسلام زندہ باد، مسلم کانفرنس زندہ باد کے فلک بوس نعرے بلند ہوتے رہے ۔ علاقہ پونچھ کے لوگوں نے پہلے روز میرواعظ مولوی یوسف شاہ کا جلوس نکالا تو دوسرے روز ایسا ہی پُر رونق جلوس چوہدری غلام عباس خاں کا نکالا گیا۔ مسلم کانفرنس کے حمایتی اور نمایندگان دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے تھے۔

تیسرے روز سالانہ جلسہ کا آغاز قرآن کریم کی تلاوت سے ہوا۔ خطبہ استقبالیہ پڑھا گیا۔ کئی قراردادیں پاس کی گئیں۔ ان میں ایک قرارداد وزیراعظم رام چند کاک جو مسٹر بکستر کی جگہ اس عہدے پر تعینات کیے گئے تھے۔ کے بارے میں تھی۔ حاضرین مجلس نے ان پر کئی الزامات عائد کرکے ان پر عدم اعتماد کا ریزولیوشن پاس کیا۔ کپٹن وزیر گنگا رام کی تعلیمی پالیسی پر ان کی سخت ترین الفاظ میں نکتہ چینی کی گئی۔ مسلم کانفرنس نے پونچھ میں وحدت ملی کا جھنڈا گاڑ کر یہ ثابت کر دیا پونے چار لاکھ مسلمان مسلم کانفرنس کے حامی ہیں۔

اس کانفرنس کی کامیابی کے چرچے دور دور تک ہونے لگے تو پنڈت نہرو نے تمام مصروفیات منسوخ کرکے کشمیر آنے کا فیصلہ کر لیا۔

پنڈت نہرو جب بھی کشمیر آتے وہ خان غفار خاں کو ضرور ساتھ لاتے اب کی بار انہوں نے غفار گاندھی کے ساتھ مولانا ابوالکلام آزاد اور پنجاب کانگریس کے صدر میاں افتخارالدین احمد کو بھی سرینگر چلنے کو کہا۔

۲۸ جولائی کو پنڈت نہرو سرینگر پہنچ گئے تو ان کے بعد غفار گاندھی، مولانا آزاد اور میاں صاحب ایک ایک کرکے سرینگر تشریف لائے۔

مسلم کانفرنس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں سے لاحق پریشانیوں کو دور کرنے اور عوام پر نیشنل کانفرنس کی گرفت مضبوط ہونے کی تصدیق کے لیے یکم اگست کو ان کا جلوس نکالا گیا۔ نواکدل، زینہ کدل اور عالی کدل میں اُن کے خلاف مظاہرہ کیا گیا۔ دریائے جلوس کے دوران مسلم کانفرنسیوں نے زینہ کدل اور عالی کدل کے درمیان سینکڑوں کی تعداد میں پرانے جوتوں اور چپل کو ایک لمبی رسی میں

پرو کر باندھ رکھا تھا تاکہ جب کانگریس کے لیڈر یہاں سے گزریں تو رسی کاٹ کر اُن جوتوں سے ان کا سواگت کر سکیں، درجنوں لوگ ننگے پاؤں سیاہ جھنڈے لے کر دریا کے کنارے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ امیرالدین چھینٹ ساز نے مسلم کانفرنسیوں کا یہ پروگرام چوپٹ کر دیا۔ مہمانوں کے آنے سے پہلے ہی جوتوں کی رسی کاٹ کر انہیں دریا برد کر دیا۔ البتہ سیاہ جھنڈوں کے مظاہرے اور پتھراؤ کو وہ رکوا نہ سکے۔

پتھراؤ سے بہت سارے لوگوں کے ساتھ غفار خاں کا ایک بازو بھی زخمی ہوا تو انہوں نے شیخ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"ان بدتمیزوں کو ایسا مزہ چکھانا چاہیے کہ وہ اسے یاد رکھیں۔"

پنڈت نہرو نے غفار خاں کا غصہ ٹھنڈا کرتے ہوئے فرمایا۔

"شیخ صاحب ان سے نپٹنا جانتے ہیں۔"

پنڈت نہرو کی طرف سے شیخ صاحب کے لیے یہ بات مسکا ثابت ہوئی کیونکہ ان لیڈروں کے واپس جاتے ہی شیخ عبداللہ نے ان سے نپٹنا شروع کیا۔

نیشنل فوج جس میں لاری اڈے کے ڈرائیور، قصائی، تانگہ بان اور پھیری والے شامل تھے ان کے ذریعے مسلم کانفرنس، مسلم لیگ اور مسلم سٹوڈنٹس لیگ کے حامیوں کو پکڑ کر ایسا زدکوب کرایا گیا کہ بہت سے لوگ زخمی ہوئے کئی لوگ معذور اور ناکارہ ہو گئے۔ جہاں کہیں مسلم کانفرنس، مسلم لیگ اور مسلم سٹوڈنٹس لیگ کا جھنڈا، سائن بورڈ اور دفتر نظر آیا اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔

نواب بازار، کرالہ کھڈ، چنکرال محلہ، سونا مسجد، مائسمہ، بٹہ مالنہ، چھتہ بل میں مسلم کانفرنس کے دفتر تحس نحس کر دیے گئے۔

اس کے بعد مسلم سکولوں کو نشانہ بنایا گیا۔ اسلامیہ سکول درگجن اور امیرا کدل کو بند کرنے کی دھمکی دی گئی ان سکولوں کے بند کیے جانے کے جواز میں شیخ عبداللہ نے کہا۔ ان سکولوں میں طالب علموں کا ذہن تخریبی بنایا جا رہا ہے۔ لہٰذا جتنی جلدی ان کو بند کیا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ (اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر ۱۹۸۷ء کے الیکشن کے بعد ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے جماعت اسلامی کی درس گاہوں کو بند کرانے کی دھمکی دی تھی) تو اسلامیہ سکول درگجن کے منتظمین نے بچاؤ کے لیے عدالت

سے رجوع کیا۔ سرکار کی طرف سے اس کی پیروی اسداللہ وکیل نے کی، جبکہ مولوی محمد امین، قریشی محمد یوسف اور عبدالسلام دلال نے ان سکوں کے بچاؤ میں اہم رول ادا کیا۔


اسداللہ وکیل

اسی دوران شیخ عبداللہ نے درگاہ حضرت بل میں تقریر کے دوران وادی کے مسلمانوں کا بٹوارہ کر دیا اور اعلان کر دیا کہ لاری اڈے کے ڈرائیوروں کے ہاتھوں مسلم کانفرنسی مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیا جائے گا۔

اس سے قبل عید کے موقع پر عیدگاہ میں مولوی یوسف شاہی مسلمانوں کو ختم کرنے کی دھمکی دی تھی۔ شیخ صاحب اگر کسی کو صحیح مسلمان سمجھتے تھے تو صرف نیشنل کانفرنس کے حمائتیوں کو اور بس ـــ سرینگر شہر میں مسلم کانفرنس کے دفاتر تحس نحس کرانے اور کانفرنسیوں کو پوری طرح دبانے کے بعد جب انہیں اطمینان ہوا کہ اب یہ لوگ کبھی پر نہیں ہلائیں گے تو انہوں نے پنڈت جواہر لال نہرو اور خان عبدالغفار خان کو سرینگر آنے کی دعوت دی تاکہ ان کا شایان شان استقبال کروا کر ان کی ناراضگی کو دور کیا جا سکے۔

مسلم کانفرنس کا ۱۹۳۳ء میں وجود میں آتے ہی پنڈت جواہر لال نہرو اور خان عبدالغفار خاں نے شیخ عبداللہ کو مسلم لیگ کے اثر سے نکال کر انہیں کانگریس کے دائرے میں لانے کے لیے کافی دوڑ دھوپ کی۔ ۱۹۳۵ء میں لاہور میں ان تینوں کی ملاقات کے بعد جب آزادی کی صورت میں کشمیر کو بھارت کے ساتھ الحاق کرنے کا عہد و پیمان ہوا تو اسی دن سے جہاں شیخ عبداللہ نے مسلم لیگ کی مخالفت اور کانگریس کی حمایت کرنی شروع کی وہاں پنڈت نہرو اور سرحدی گاندھی نے بھی خوب مدح سرائی کی۔

دہلی میں چند روز قیام کرنے کے بعد شیخ صاحب سرینگر آئے تو ورکنگ کمیٹی سے صلح مشورہ کرنے کے بعد ذمہ دار نظام حکومت کا مسودہ تیار کیا گیا۔ نیشنل کانفرنس نے ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ کیا اور اس کے بارے میں ورکنگ کمیٹی کی طرف

سے تیار کردہ مسودہ جاری کیا گیا۔

"یہ امر اب مسلمہ طور عام ہو چکا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر میں معاشرتی اور سیاسی نقطہ نگاہ میں مکمل تغیر کے لیے ایک مشترکہ اور بین الاقوامی تحریک جاری ہو چکی ہے یہ تحریک اب کسی ایک مخصوص قوم یا طبقے تک محدود نہیں رہی بلکہ اس میں اس ملک میں رہنے والے تمام طبقات اس کے جملہ مآل اور نتائج کو سمجھ بوجھ کر تہ دل سے حصہ لے رہے ہیں کہ ہماری وفاداری ہز ہائی نیس مہاراجہ بہادر کی ذات اور آپ کے تخت و تاج کے ساتھ غیر متزلزل طریقے سے وابستہ ہے جس کی نسبت حقائق کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس تحریک کا سیاسی منتہا و مقصد اسی قدر ہے کہ جموں و کشمیر کے رہنے والے لوگ ہز ہائی نیس مہاراجہ بہادر کے زیر سایہ مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت حاصل کریں لیکن قومی تحریک کے بانی مبانی ہونے کی حیثیت میں اس چیز کو اپنا پہلا فرض سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے ابنائے وطن اور اس امر میں دلچسپی لینے والے دیگر لوگوں کو مطلع کر دیں کہ فوری طور ہمارے پیش نظر کیا مقاصد ہیں ان دعوات کی بناء پر ہم اس اعلان کو شائع کرتے ہیں اور ہمیں مخلصانہ اعتماد ہے کہ یہ اعلان نہ صرف ہمارے فوری مقاصد اور مطالب کو متعلقہ لوگوں تک پہنچا دے گا بلکہ یہ ان تمام غلط فہمیوں کا بھی خاتمہ کر دے گا جو دیدہ و دانستہ بعض غرض مند لوگوں کی طرف سے پھیلائی گئی ہیں۔ ہماری تحریک دراصل ایک امن پسند اور خیر خواہانہ تحریک ہے اس کا فوری مقصد یہ ہے کہ شہریت کے ابتدائی اور بنیادی حقوق ریاست جموں و کشمیر میں حاصل کیے جائیں اس تحریک کے ذریعہ ریاست جموں و کشمیر میں ایک ایسا ماحول اور فضا پیدا کرنے کی جدوجہد جاری کی گئی ہے جو اس ملک کو ایسی حدود میں لے آئے کہ مہاراجہ بہادر کی رعایا کا کمزور سے کمزور فرد بھی اپنی قسمت بنانے کی سعی میں ذمہ دارانہ حصہ لے سکے، ہمارے مطالبات معقول ترین مطالبات ہیں اور اُن کی پشت پر عدل و انصاف اور دلائل کی طاقت موجود ہے ہم اپنی بے بسی سے اچھی طرح سے واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ